أنوار المنان في توحيد القرآن

تصنیف

امام احمد رضا خان

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ترجمہ

تاج الشریعۃ علامہ مفتی اختر رضا خان دامت برکاتہ العالیۃ

تخریج واعتناء

مولانا محمد اسلم رضا

أنوار المنّان في توحيد القرآن

تصنیف

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان

علیہ رحمۃ الرحمٰن

ترجمہ

تاج الشریعہ علامہ مفتی اختر رضا خان

دامت برکاتہ العالیہ

تخریج واعتناء

مولانا محمد اسلم رضا

جامع مسجد بہار شریعت، بہادر آباد، کراچی

جامع مسجد الماس، عزیز آباد ۸، کراچی

نام کتاب: أنوار المنّان في توحيد القرآن

مصنف: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن

ترجمہ: تاج الشریعہ مفتی علامہ اختر رضا خان دامت برکاتہ العالیہ

تحقیق: محمد اسلم رضا، عبد الرزاق ہنگورو الحسینی

عددِ صفحات: ۷۷

سائز: 23×36/16

تعداد: ۱۱۰۰

ناشر: ادارۂ اہلِ سنت، جامع مسجد الماس، عزیز آباد ۸، کراچی۔ dar_sunnah@yahoo.com

فون: 009221-2021393

مکتبہ برکات المدینہ، جامع مسجد بہارِ شریعت، بہادر آباد، کراچی۔ فون: 021-4219324

barkatulmadina@yahoo.com

طباعت اوّل

۱۴۲۹/۲/۲۵ھ

۲۰۰۸/۳/۴ء

فہرست

مقدمہ

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ ربّ العالمین والصّلاۃ والسلام علی أشرف الأنبیاء وسیّد المرسَلین، وعلی آلہ وصحبہ أجمعین، أمّا بعد:

آواز کی حقیقت سے متعلق امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے اردو میں ایک نہایت وقیع رسالہ ''الکشف شافیا حکم فونو جرافیا'' تحریر فرمایا، جس میں علمِ کلام کے معرکۃ الآراء اور انتہائی دقیق اور مشکل ترین مسئلہ ''کلامِ لفظی وکلامِ نفسی'' کی بحث بھی مختصراً ذکر فرمائی۔ ۱۳۳۰ سنِ ہجری میں جب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالی عنہ کے بہت عزیز اور محبوب ومحبّ دوست محافظِ کتب خانۂ حرمِ مکی حضرت علامہ سید اسماعیل خلیل آفندی رحمۃ اللہ تعالی علیہ اعلیٰ حضرت سے ملاقات کے لیے بریلی شریف آئے، تو ان کے قیامِ بریلی کے دوران ایک دن کسی موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالی عنہ نے انہیں ''الکشف شافیا'' سے کچھ اقتباس سنائے، جسے سُن کے سیّد صاحب بہت خوش ہوئے اور اعلیٰ حضرت سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ آپ اس رسالۂ مبارکہ کا مکمل عربی ترجمہ فرمادیجئے؛ تاکہ آپ کی تحریر کردہ اس اہم بحث سے بھرپور طریقہ سے متمتع ہوسکوں، چنانچہ امامِ اہلِ سنّت نے اپنے اس حبیب ومحبّ دوست کی خواہش پر اس کی تعریب فرمادی، اور ساتھ ہی ساتھ اس میں دیگر بعض مَباحث کا اضافہ فرمایا، اور جب رسالہ ''الکشف

شافیا'' میں کلامِ لفظی ونفسی کی بحث آئی تو امامِ اہلِ سنت نے علماء کی سہولت کے لیے ایک رسالہ ضمیمہ کا اضافہ فرمادیا، جس کا نام ''انوار المنان فی توحید القرآن'' رکھا، جسے مخطوط سے مطبوع کرنے کے لئے صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارکپور حضرت مولانا محمد احمد مصباحی صاحب نے کوشش فرمائی، اور ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی نے شائع کیا۔ اس رسالہ میں امامِ اہلِ سنت نے کلامِ لفظی وکلامِ نفسی جیسے مشکل ترین مسئلہ کی وہ تنقیح وتوضیح فرمائی کہ آج بھی جب عرب وعجم کے علماء اس کا مطالعہ کرتے ہیں تو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی علمِ کلام میں مہارت کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتے اور ساتھ ہی ساتھ امامِ اہلِ سنت کی عربیت کی بھی خوب داد دیتے ہیں، بلکہ خود راقم الحروف نے اپنے یمن، بغداد اور ملکِ شام میں قیام کے دوران یہ دیکھا کہ موجودہ عربوں میں ایسے لوگ کم ہیں جو امامِ اہلِ سنت کی کسی معرکۃ الآراء مسئلے پر عربی عبارت کو بسہولت پڑھ کر سمجھ پائیں۔

چونکہ ''انوار المنان'' میں کئی ابحاث مشکل اور بعض مقامات حل طلب ہیں، جس کے سبب علماء کو بھی بسا اوقات صعوبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے: لہٰذا امامِ اہلِ سنت ہی کے فرزند اور ان کے علوم کے وارث، اور اپنے زمانے کے مفتیِ اعظم حضرت قبلہ تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا خان صاحب ازہری دامت برکاتہم العالیہ نے اس رسالے کا اردو ترجمہ فرمادیا، اور مشکل وپیچیدہ مقامات کی وضاحت فرمادی، جس کی ابتداء یوں ہوئی کہ سب سے پہلے بریلی شریف میں قبلہ تاج الشریعہ کے شاگرد مولانا شاہد رضا صاحب سے سن کر انہیں املاء کروایا، اس کے بعد بمبئی میں حضرت کے ایک مرید مولانا محمد اسلم رضا صاحب مصباحی کٹیہاری مقیم بمبئی کو رسالے

کا کچھ حصہ املاء فرمایا، اور آخری کے اکیس ۲۱ صفحات کراچی میں مولانا محمد ثاقب اختر القادری اور راقم الحروف سے سماعت فرما کر املاء فرماتے رہے، اس طرح یہ رسالہ ''انوار المنان'' ۲۴ ذیقعدۃ الحرام ۱۴۲۸ھ بمطابق ۲۵ نومبر ۲۰۰۷ء کو وقتِ ظہر سے قبل مکمل ہوا۔

اللہ تعالٰی اسلام و مسلمین کی طرف سے قبلہ تاج الشریعہ دامت برکاتہم العالیہ اور معاونینِ کار کو بہترین جزا عطا فرمائے، اور حضرت کا سایہ تادیر قائم رکھے، اور امامِ اہلِ سنّت کی دیگر کتب و رسائل کی خدمت کے لیے بھی حضرت کو ہمت، طاقت، صحت اور توفیقِ رفیق بخشے، آمین بجاہ سیّد المرسلین علیہ وعلی آلہ وصحبہٖ أجمعین أفضل الصّلاۃ والتسلیم۔

دعاگو و دعاجو

محمد اسلم رضا تحسینی

۲۵ صفر المظفر ۱۴۲۹ھ

۲۰۰۸/۳/۴ء

أنوار المنّان في توحيد القرآن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلام الٰہی کے قدیم، واحد حقیقی غیر متعدد وغیر منقسم ہونے کی نفیس تمہید اور براعت استہلال

سب خوبیاں اللہ کے لئے جو اپنی ذات میں یکتا ہے، اپنی صفات میں بے ہمتا ہے، اور اپنے قدیم ہونے کی وجہ سے حدوث اور اس کی علامات سے بلند و بالا ہے۔ وہ اس سے بلند ہے کہ حدوث اس کے کلامِ قدیم کے مسمّی کی طرف راہ پائے، یا اس کی آیات کے مصداق کی طرف پہنچے، یا اس کے کلام میں مجاز کو دخل ہو اس کلام کے تجلیات میں مجاز کی وجہ سے، یا اس میں تعدد ہو اس کے جاموں میں تعدد کی وجہ سے۔ وہی ہے جس نے اپنا کلامِ قدیم (جس پر کبھی عدم سابق نہ ہوا)(۱) اپنے اس رسول پر اتارا جو اس کی ساری مخلوقات کا سردار ہے، اور اس کے تمام رسولوں کا خاتم، اور اس کی سب سے پہلی مخلوق ہے، اُن پر اور اُن کی آل پر اور اُن کے اصحاب پر اور اُن کی ذریت پر اللہ تعالیٰ کی سب سے افضل درود (ثناء رحمت، تشریف و تعظیم) اور سب سے اکمل سلام، اور سب سے افزوں تحیت (ذکر رفیع، اِعلاء دین اور اِبقائے شریعت کے ذریعہ) اور خوب بڑھنے والی برکت (آخرت میں اُن کی امت کے حق میں ان کی شفاعت قبول فرما کر، انہیں اجر عظیم دیکر اور دم بدم ان کے مراتب بڑھا کر، ثواب عظیم مرحمت فرما کر) نازل فرمائے۔

تو قرآن نے ذہن و گوش، اوراق اور زبانوں، زمان و مکان میں جلوہ فرمایا، اور صفت حالانکہ صفتِ کلام ذاتِ رحمٰن سے منفصل نہ ہوئی، اور بارگاہ رب سے منفصل ہو کر کسی موجود سے متصل نہ ہوئی، حادث تو یہ دل، کان، زبان اور یہ قلم ہیں، اور احوال

---

(۱) قوسین کے درمیان تشریح حضرت مترجم علام کی طرف سے ہے۔

بدلے اور اوضاع متغیر ہوئیں، اور قرآن ایسے ہی اپنے قِدم وثبات پر باقی ہے۔

تمہیں معلوم ہو کہ علماء کرام نے شی کے وجود کے چار مرتبے رکھے ہیں:

(۱) وجود اعیان (ذوات) میں، جیسے کہ زید کا وجود جو خارج میں موجود ہے۔

(۲) وجود اذہان میں، اور اس کا معنی یہ ہے کہ زید کی صورت جو اس کے لئے مرآۃ ملاحظہ ہے، وہ ذہن میں حاصل ہو۔

(۳) شی کا وجود عبارت میں، اس کی مثال تلفظ ''زید'' ہے: اس لئے کہ اسم عینِ مسمّٰی ہے۔

اسم کے عین مسمّٰی ہونے پر مصنف علاّم کا حدیث سے نفیس استدلال اور تخریج حدیث

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر ایک حدیث سے استدلال فرماتے ہیں جس کی تخریج یوں بیان فرمائی: مسند احمد، ابن ماجہ اور صحیح حاکم وصحیح ابن حبان (۱)

---

(۱) وقع في الفصل الثالث من "المشكاة" ["مشكاة المصابيح"، الخطيب التبريزي (ت۷٤۰هـ)، تحقيق سعيد محمد اللحام، كتاب الدعوات، الباب: ۱، الفصل الثالث، ر: ۲۲۸٥، ۲/ ۱۷، دار الفكر، بيروت ۱٤۱۱هـ، ط۱] عزوه للبخاري ["صحيح البخاري" (ت۲٥٦هـ)، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿ لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ﴾ [القيامة: ۱٦] وفعل النبي ﷺ حيث ينزل عليه الوحي، صــ۱۲۹۸، دار السلام، الرياض ۱٤۱۹هـ، ط۲]، وأقرّه عليه القاري ["مرقاة المفاتيح"، القاري (ت۱۰۱٤هـ)، كتاب الدعوات، الفصل الثالث، تحت ر: ۲۲۸٥، ٥/ ٦۸، المكتبة الحقّانية، ملتان]، وعزاه الإمام الشعراني في أواخر البحث الثالث والعشرين من "اليواقيت والجواهر" ["اليواقيت والجواهر في بيان عقائد الأكابر"، الشعراني (ت۹۷۳هـ)، ما وجدت في النسخة التي بين أيدينا]=

میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے رب عزوجل سے: ''میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں جب وہ میری یاد کرتا ہے اور میرے لئے اس کے ہونٹ ملتے ہیں''(1)۔

(۴) شی کا وجود کتابت میں، جیسے زید کا نام لکھا جائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يَجِدُونَهُ مَكْتُوباً عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالإِنْجِيلِ﴾۔[الأعراف: ۱۵۷] جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل میں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یعنی آیت ﴿يَجِدُونَهُ﴾ میں ضمیر منصوب کا مرجع حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ دونوں اخیر قسمیں بلکہ دوسری بھی عام ذوات میں ان کا وجود کسی طرح ازخود نہیں ہے، لہٰذا حق یہ ہے کہ اشیاء کا حصول (اذہان وغیرہ میں) ان کی مثالوں کے ساتھ ہے نہ کہ ان کی ذوات کے ساتھ، اور یہی میرے نزدیک ہمارے ائمہ متکلمین نے وجود ذہنی کا جو انکار کیا ہے اُس کی حقیقت ہے، مطلب یہ ہے کہ خود شی بنفسہٖ ذہن میں نہیں ہے بلکہ اس کی مثال ہے، اور امام رازی نے اس کو علم ہونے کے انکار پر محمول کیا ہے۔

اقول (اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:) اور یہ بات بھی حق ہے؛ اس لئے کہ ہمارے نزدیک علم کی تعریف یہ ہے، جیسا کہ اس پر امام سنت، کوہ ہدایت ابو منصور ماتریدی نے نص فرمائی کہ:

= لمسلم، ولم أره له، والله تعالى أعلم اهـ منه [أي: من المصنِّف، وهو الإمام أحمد رضا رحمه الله تعالى]۔

(1) "سنن ابن ماجة" (ت٢٧٥هـ)، كتاب الأدب، باب فضل الذكر، ر: ٣٧٩٢، صـ٦٣٩، دار إحياء التراث العربي ١٤٢١هـ، ط١۔

"علم ایک حالتِ انکشاف ہے نہ کہ صورتِ حاصلہ"، اور اسی مذہب پر فلسفیوں کے محققین ہیں، اور یہی مذہب سید زاہد اور متاخرین میں بحر العلوم کا ہے، اگرچہ اکثر جاہل مشائین اس پر چلے کہ علم صورتِ حاصلہ ہے۔

تو یہ ہمارے اصحاب کی مراد ہے، پھر اس معاملہ میں متاخرین اُس طرف گئے جس طرف گئے، ورنہ اَذہان کے ساتھ معانی کا قیام کسی کے نزدیک معقول بات نہیں، چہ جائیکہ ان علم وعرفان کے ستونوں سے یہ گمان کیا جائے۔

قول فیصل

لیکن ہمارے اگلے اماموں کا حق وصادق عقیدہ یہ ہے کہ وجود کے یہ چاروں اقسام قرآن کریم کے وجود کے واقعۃً حقیقی مواضع ہیں، اور شہودِ قرآن کریم کی سچی تحقیقی جلوہ گاہیں ہیں۔

تو وہ قرآن جو حضرت عزت جل جلالہ کی ایسی صفتِ قدیمہ ہے (جو کبھی معدوم نہ ہوئی نہ ہو) اور اس کی ذات دائم الوجود سے ازلاً ابداً قائم ہے اِس قرآن کا اُس کی ذات سے جدا ہونا مُحال ہے، نہ وہ عینِ ذات ہے، نہ غیرِ ذات، اور وہ (قرآن) نہ خالق ہے، نہ مخلوق، وہی بعینہٖ ہماری زبانوں سے پڑھا جاتا ہے، وہی ہمارے کانوں سے سنا جاتا ہے، وہی ہماری سطروں میں لکھا ہوا ہے، وہی ہمارے سینوں میں محفوظ ہے، اور سب خوبیاں اللہ کے لئے جو رب ہے سارے جہانوں کا۔ ایسا نہیں کہ وہ قرآن کے سوا دوسری شی ہے جو قرآن پر دلالت کرتی ہے، نہیں نہیں! بلکہ یہ سب اُس کی تجلیاں ہیں، اور حقیقۃً وہی قرآن ان میں جلوہ فرما ہے، بغیر اس کے کہ وہ ذاتِ الٰہی سے منفصل ہو، یا حوادث میں سے کسی شی سے متصل ہو، یا اس کے لئے کسی حادث میں حلول ہو، یا اس کے قِدَمِ ہمیشگی کے دامن میں ان حادث جاموں میں سے کوئی چیز پہنچے، یا تجلیوں کے تعدد کی وجہ سے اس کی طرف کوئی تعدد راہ پائے،

چنانچہ میں نے کہا ہے:۔

کیا نئے نئے لباس لباس والے کو بدل دیں گے۔

اور میں نے کہا: سورج چمگادڑ کی پہنچ سے دور ہے تو تم ضرور ایمان رکھو، اور جہالت وامر قبیح اور حد سے گزرنے میں نہ پڑو۔

حدیث جبریل کے ذریعہ تقریر منیر

اور یہ ہمارے سردار جبریل ہیں (ہمارے نبی پر) اور ان پر تعظیم کے ساتھ درود ہو، دشمنِ خدا ابوجہل نے ان کو اونٹ کی صورت میں دیکھا، جب انہوں نے اس پر حملہ فرمایا اس حال میں کہ ان کا دانت اور ایسا سر تھا جس کی مثال نہیں دیکھی گئی، تو دشمنِ خدا ابوجہل اپنی ایڑیوں کے بل پلٹا، تو کیا کسی کو جائز ہے کہ کہے یہ جبریل نہ تھے بلکہ یہ تو کوئی دوسری شی جبریل پر دلالت کرنے والی تھی...؟! اللہ کے لئے پاکی ہے! وہ تو یقیناً جبریل علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام تھے، اور اسی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا: ''وہ جبریل تھے اگر ابوجہل مجھ سے قریب ہوتا وہ اس کو پکڑ لیتے''(۱)۔

اس حدیث کو ابن اسحاق اور ابونُعَیم اور بیہقی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔

اگرچہ ہمیں یقیناً معلوم ہے کہ جبریل کی شکلِ جمیل اونٹ کی صورت نہیں ہے بلکہ ان کے چھ سو پَر ہیں جس سے انہوں نے اُفق کو گھیر رکھا ہے، اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جب بنی قریظہ کی طرف چلے تو انہوں نے دِحیہ ابن خلیفہ کو دیکھا کہ سفید

---

(۱) "السيرة النبويّة"، ابن هشام (ت۲۱۳هـ)، تحقيق محمّد شحاته إبراهيم، أبوجهل يبيت قتل رسول الله والله يحفظه، الجزء الأوّل، صـ۱۵۰، دار المنار، القاهرة (نقلاً عن ابن إسحاق)۔

خچر پر سوار ہیں، تو اس معاملہ کی خبر نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو دی، تو حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا جیسا کہ حدیث میں ہے: ''یہ جبریل ہیں جنھیں بنی قریظہ کی طرف بھیجا گیا کہ ان کے قلعوں کو ہلا دیں اور ان کے دلوں میں رعب ڈالدیں''(۱)۔

اور اس اعرابی کی حدیث جو حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا، حضور سے ایمان، اسلام، احسان، قیامت اور اس کی علامتوں کے بارے میں پوچھتا تھا، اس کو کسی نے نہ جانا اور اس پر سفر کا اثر نظر نہ آتا تھا، اس کے کپڑے خوب سفید تھے، بال خوب کالے تھے، اور حدیث میں حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ: ''یہ جبریل تھے تمہارے پاس تمھیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے''، یہ حدیث معروف ومشہور ہے، بخاری ومسلم نے اس کو روایت کیا ہے(۲)۔

اور بارہا دحیہ کلبی کی صورت میں حضرت جبرئیل امین علٰی نبینا وعلیہ الصلاۃ والتسلیم کا حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا ثابت ہو چکا۔ چنانچہ نسائی میں بسند صحیح ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے: ''جبرئیل امین علٰی نبینا وعلیہ الصلاۃ والتسلیم نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی بارگاہ میں دحیہ کلبی کی صورت میں حاضر ہوتے تھے''(۳)۔ اور یہی مضمون طبرانی نے حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے

---

(۱) "جامع البيان عن تأويل آي القرآن"، الطبري (ت۳۱۰هـ)، تحقيق صدقي جميل العطّار، الأحزاب، تحت الآية: ۲۶، ر: ۲۱٦۸۹، الجزء الحادي والعشرون، صـ۱۸۲، دار الفكر، بيروت ۱٤۱٥هـ.

(۲) "صحيح مسلم" (ت۲٦۱هـ)، كتاب الإيمان، ر: ۹۳، صـ۲٤، دار السلام، الرياض ۱٤۱۹هـ، ط۱.

(۳) "سنن النسائي" (ت۳۰۳هـ)، تحقيق صدقي جميل العطّار، كتاب الإيمان وشرائعه، باب صفة الإيمان والإسلام، ر: ٥۰۰۱، الجزء الثامن، صـ۱۰۷ بتصرّف =

مرفوعاً(۱) روایت کیا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جبرئیل میری خدمت میں دِحیہ کلبی کی صورت میں آیا کرتے ہیں''(۲)۔

مترجم کی تنبیہ کہ ''کان'' دوام کے لئے بھی آتا ھے

(میں نے یہ ترجمہ اس طور پر کیا حالانکہ یہ بظاہر کان یا تیفی جو ماضی کا صیغہ ہے کے خلاف ہے اس لئے کہ ماضی انقطاع پر دلالت کرتا ہے، لیکن بسااوقات ''کان'' دوام واستمرار کے لئے بھی آتا ہے۔ جیسے ﴿وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْماً﴾۔ [النساء:۱۱۳]

اوراللہ کاتم پر بڑا فضل ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْماً حَكِيْماً﴾۔[النساء:۱۱۱]

اوراللہ علم وحکمت والا ہے۔ (کنزالایمان)

وإلى غير ذلك من الشواهد۔ (ازہری)

اور اس باب میں امہات المومنین حضرت عائشہ(۳) اور

= عن أبي هريرة وأبي ذر، دار الفكر، بيروت ١٤٢٥هـ.

(۱) یعنی اس حدیث کی سند نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک متصل ہے، اور یہ مضمون حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمایا، ایسی حدیث کو حدیث مرفوع کہتے ہیں۔ (ازہری)۔

(۲) "المعجم الكبير"، الطبراني (ت٣٦٠هـ)، تحقيق حمدي عبد المجيد السلفي، باب من اسمه أنس، وممّا أسند أنس بن مالك رضي الله عنه، ر: ٧٥٨، ١/٢٦١، دار إحياء التراث العربي ١٤٢٢هـ، ط٢ .

(۳) "شعب الإيمان"، البيهقي (ت٤٥٨هـ)، تحقيق حمدي الدمرداش محمد العدل، الأربعون من شعب الإيمان وهو باب في الملابس والزي والأواني وما يكره =

ام سلمہ (۱) رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے احادیث مروی ہیں۔

اور کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ وہ یہ شک کرے کہ وہ آنے والے جبرئیل نہ تھے، باوجودیکہ یہ امر یقینی ہے کہ جبرئیل نہ اعرابی ہیں نہ کلبی ہیں، تو بات وہی ہے کہ یہ ان مختلف صورتوں میں جبرئیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والتسلیم کی تجلیات ہیں، ان تجلیات کے تعدد سے بہت سے جبرئیل نہ ہوئے، اور یہ کہنا ممکن نہیں کہ یہ جبرئیل پر دلالت کرنے والی اشیائے دیگر تھیں۔

مصنف کی عربی نظم میں مہارت

اس سلسلے میں میں کہتا ہوں: ؎

أجبريلٌ من السدرة　　　و اخرُ جاء من قرية

کیا ایک جبرئیل سدرۃ المنتہیٰ سے اور دوسرے گاؤں سے آئے

وثالثهم عدا جَملا　　　ورابعهم غدا دحية

اور تیسرے جبرئیل نے اونٹ بن کر (ابوجہل پر) حملہ کیا، اور چوتھے دِحیہ بن گئے

فمنهم مَن له ذنب　　　ومنهم مَن له لحية

تو ایسا ہو تو ان میں سے کسی کی دم ہو کسی کی داڑھی ہو

وهذا باطلٌ قطعاً　　　فلا يرضاه ذو نُهية

اور یہ یقیناً باطل ہے، لہذا اس سے کوئی عقلمند راضی نہ ہوگا

ومع ذا وحدة الكلّ　　　يقينٌ ما به مرية

= منها، فصل في العمائم، ر: ٦٢٥٧، ٥/ ٢١٤٣، دار الفكر، بيروت ١٤٢٤هـ، ط ١۔

(۱) "صحيح مسلم"، كتاب فضائل الصحابة رضي الله عنهم، باب من فضائل أمّ سلمة، [أمّ المؤمنين]، رضي الله عنها، ر: ٦٣١٥، صـ١٠٧٩۔

اوراس کے باوجود سب کی یقیناً ایک ماہیت ہے اس میں کوئی شک نہیں

هو العادي على الغاوي　　　　هو الموحي بلا فرية

وہی جبرئیل بھٹکنے والے (ابوجہل) پر حملہ کرنے والے اور وہی سرکار علیہ الصلاۃ

والسلام کو خفیہ طور پر اللہ کا پیغام سنانے والے، اس میں کوئی بناوٹ نہیں

تو یہی وہ ہے جس کا فائدہ قطعی دلیل نے دیا، اور اس کے سوا اہلِ عرفان کا

الگ طور ہے، تو علمِ حقائق والے ان باریکیوں کو خوب سمجھتے ہیں، اور ہمیں تسلیم کرنا اور

تصدیق کرنا لازم ہے۔

وحدت قرآن پر قرآنی آیات سے استدلال

اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝﴾

[الأعراف: ٢٠٤]

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو! کہ تم پر رحم ہو۔

(ترجمہ کنزالایمان)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ۝﴾ [القيامة: ١٦، ١٨]

تم یاد کرنے کی جلدی میں قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دو، بے شک اس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے، تو جب ہم اسے پڑھ چکیں اُس وقت اس پڑھے ہوئے کی اتباع کرو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ﴾

[المزمّل: ٢٠]

اب قرآن میں سے جتنا تم پر آسان ہو اُتنا پڑھو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: ﴿فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ﴾[التوبة: ٦]

تو اسے پناہ دو کہ وہ اللہ کا کلام سنے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ [القمر: ١٧]

اور بے شک ہم نے قرآن یاد کرنے کے لئے آسان فرمادیا، تو ہے کوئی یاد کرنے والا؟ (ترجمہ کنزالایمان)

اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: ﴿بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ [العنكبوت: ٤٩]

بلکہ وہ روشن آیتیں ہیں ان کے سینوں میں جن کو علم دیا گیا۔

(ترجمہ کنزالایمان)

اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: ﴿وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ﴾[الشعراء: ١٩٦]

اور بے شک اس کا چرچا اگلی کتابوں میں ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: ﴿فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ﴾

[العبس: ١٣، ١٤]

ان صحیفوں میں کہ عزت والے ہیں بلندی والے پاکی والے۔

(ترجمہ کنزالایمان)

اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: ﴿بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ﴾ [البروج: ٢١، ٢٢]

بلکہ وہ کمال شرف والا قرآن ہے لوحِ محفوظ میں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌo فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍo لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَo﴾ [الواقعة: ۷۷ ـ ۷۹]

بے شک یہ عزت والا قرآن ہے محفوظ نوشتہ میں، اسے نہ چھوئیں مگر باوضو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُo عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَo بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍo﴾ [الشعراء: ۱۹۳ ـ ۱۹۵]

اسے روح الامین لے کر اترا تمہارے دل پر کہ تم ڈر سناؤ روشن عربی زبان میں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

إلى غير ذلك من الآيات مذکورہ آیتوں کے علاوہ اور دوسری آیتوں تک پڑھ جاؤ!

اب دیکھو! اللہ نے اسی کو پڑھا جانے والا قرار دیا، اور اسی کو سنا جانے والا ٹھہرایا، اور اسی کو یاد رکھا جانے والا فرمایا، اور اسی کو لکھا جانے والا فرمایا، اور اسی کے بارے میں فرمایا کہ بے شک یہ قرآن ہے اور بے شک یہ کلامِ رحمٰن ہے۔

سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "فقہِ اکبر" میں فرمایا: قرآن مصحفوں میں لکھا ہوا ہے، اور دلوں میں محفوظ ہے، اور زبانوں سے پڑھا جاتا ہے، اور وہی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر (بتدریج) نازل ہوا ہے، اور ہمارا قرآن کے کلمات کو ادا کرنا مخلوق ہے، اور ہمارا اس کو لکھنا اور ہمارا اس کو پڑھنا مخلوق ہے، اور قرآن مخلوق نہیں اھ[1]۔

اور امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی وصایا میں فرمایا: ہمارا اقرار ہے کہ

---

(۱) "الفقه الأكبر"، أبو حنيفة (ت ۱۵۰ھ)، صـ۹۱ ـ ۹٤ ملتقطاً بتصرّف، دار البشائر الإسلامية ۱٤۱۹ھ، ط ۱ (مطبوع مع شرحه "منح الروض الأزهر")۔

قرآن اللہ کا کلام ہے، اور اس کی وحی ہے، اور اس کی تنزیل (اس کا اتارا ہوا) ہے، اور وہ (قرآن) اس کی صفت ہے، نہ وہ عینِ خدا ہے (بحسب المفہوم)، نہ وہ غیرِ خدا ہے (بحسب المصداق)، بلکہ حقیقۃً وہ اس کی صفت ہے، مصاحف میں لکھا ہوا ہے، زبانوں سے پڑھا جاتا ہے، سینوں میں محفوظ ہے، وہ قرآن سینوں میں حلول نہیں کئے ہوئے ہے۔ (امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کا قول یہاں تک پہنچا) اور اللہ معبود ہے، اور اپنی اس شان پر جس پر وہ ازل میں تھا دائم وباقی ہے، اور اس کا کلام (زبانوں سے) پڑھا جاتا ہے، اور (مصاحف میں) لکھا جاتا ہے، اور (سینوں میں) محفوظ ہے، اس کے باوجود وہ کلام اس سے جدا نہ ہوا اھ[1]۔

اور عارف باللہ سیدی علامہ عبدالغنی نابلسی حنفی قدس سرہ القدسی نے "مطالب وفیہ" میں فرمایا: تم یہ مت سمجھنا کہ اللہ کے دو کلام ہیں: ایک تو وہ نظم جو پڑھا جاتا ہے، اور دوسرا جو اس کی صفتِ قدیمہ ہے، جیسا کہ کچھ ان لوگوں نے گمان کیا جن پر فلسفیوں اور معتزلہ کی اصطلاحیں غالب آگئیں، تو اس نے اللہ تبارک وتعالی کے کلام کے بارے میں وہ کچھ کہا جس کی طرف اس کی عقل نے اس کو پہنچایا، اور وہ اجماعِ سلفِ صالحین رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین کی مخالفت میں پڑے۔ وہ اجماع اس بات پر ہے کہ کلام اللہ تعالی ایک ہے، کسی طرح اس میں تعدد نہیں، وہی (قرآن ہے جس کی تجلی) ہمارے پاس ہے، اور وہی قرآن اللہ تعالی کی ذات کے ساتھ قائم ہے، اور وہ جس کی تجلی ہمارے پاس ہے اس سے الگ نہیں جو اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے، اور

---

(۱) "كتاب الوصية"، الإمام الأعظم (ت ۱۵۰ھ)، صـ ٦٤ـ٦٦، مجلس دائرة المعارف النظامية، حيدرآباد الدكن ۱۳۲۱ھ (مطبوع مع شرحه "الجوهرة المنيفة")۔

وہ جو اس کے ساتھ قائم ہے اس کا مُغایر نہیں جو ہمارے پاس جلوہ گر ہے، بلکہ وہ قرآن صفتِ واحدہ قدیمہ ہے (جس پر عدم سابق نہ ہوا)، اللہ تعالیٰ کے پاس موجود ہے بے اس کے کہ اپنے وجود میں کسی آلے کی محتاج ہو، اور بعینہ ہمارے پاس موجود ہے، لیکن (ہمارے پاس اس کا وجود) بسبب آلات ہے، وہ آلات ہمارا پڑھنا اور ہمارا لکھنا اور ہمارا اس کو یاد کرنا ہے، تو جب ہم ان حروفِ قرآنیہ کو پڑھتے ہیں اور ان کو لکھتے ہیں اور ان کو یاد کرتے ہیں تو وہ صفتِ قدیمہ جو ذاتِ الٰہی کے ساتھ قائم ہے، جو اللہ کے پاس ہے، بعینہ وہ صفت ہمارے پاس جلوہ گر ہے بغیر اس کے کہ وہ بدل کر وہ صفت نہ رہے جو باری تعالیٰ کے پاس ہے، اور وہ صفت نہ اللہ سے منفصل ہوئی اور نہ ہم سے متصل ہوئی، وہ تو اُسی شان پر ہے جس شان پر ہمارے پڑھنے سے لکھنے سے اور یاد کرنے سے پہلے تھی... ! ان کے اس آخری کلام تک جس کو انھوں نے طول دیا اور خوب بیان کیا پڑھ جاؤ۔ بادشاہ بخشندہ کی ان پر رحمت ہو[1]۔

اور موصوف (نابلسی) قدس سرہ نے "حدیقۂ ندیہ" کے بابِ اول کی فصلِ اول کی نوعِ اول میں فرمایا: جب تم کو یہ معلوم ہوگیا تو پر اس کے قول کا فساد ظاہر ہوگیا جو یہ کہتا ہے کہ کلام اللہ تعالیٰ کا اطلاق اشتراک وضعی سے دو معنی پر ہوتا ہے (یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام لفظا دو معنی کے لئے موضوع ہے): (۱) صفتِ قدیمہ (۲) اور وہ جو حروف وکلماتِ حادثہ سے مؤلّف ہو۔ اس لئے کہ یہ ایسی بات ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات میں اعتقادِ شرک کی طرف پہنچاتی ہے، اور اس جگہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اشارہ اس حدیث میں (یعنی یہ حدیث کہ اس قرآن کا ایک کنارہ اللہ کی ذات کے پاس ہے اور اس کا دوسرا کنارہ تمہارے پاس ہے۔ اس حدیث کو ابن ابی شیبہ اور طبرانی

---

(۱) "المطالب الوفية"، عبد الغني النابلسي (ت ۱۱٤۳ھـ) ۔

نے ''معجم کبیر'' میں ابوشریح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا)[۱]۔ یہ اشارہ قرآن کی طرف یہ بتاتا ہے کہ قرآن واحد ہے، اس میں اصلاً تعدد نہیں، اور وہ قرآن اللہ کی صفتِ قدیمہ ہے، اور وہی مَصاحف میں مکتوب ہے، زبانوں سے پڑھا جاتا ہے، وہی دلوں میں محفوظ ہے بغیر اس کے کہ یہ صفت ان مذکورہ امور میں سے کسی شی میں حلول کرے، اور جو اس بات کو ہمارے بیان کے مطابق نہ سمجھ پائے اس لئے کہ اس کا سمجھنا اس کے لئے دشوار ہے، اس پر واجب ہے کہ اس بات پر بے دیکھے ایمان لائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ پر اور اس کی باقی صفات پر ایمان رکھتا ہے، اور کسی کو جائز نہیں کہ اس قرآن کو جو مصاحف میں اور دلوں میں اور زبانوں پر جلوہ فرما ہے حادث کہے...! اس کلام کے آخر تک جس کا انھوں نے خوب افادہ فرمایا مراجعت کرو![۲] ان پر بادشاہ جواد کی رحمت ہو۔

---

(۱)"المصنف"، ابن أبي شيبة (ت٢٣٥هـ)، تحقيق كمال يوسف الحوت، كتاب فضائل القرآن، ما جاء في التمسّك بالقرآن، ر: ٣٠٠٠٦، ٦/ ١٢٥، مكتبة الرشد، الرياض١٤٠٩هـ، ط١، و"المعجم الكبير"، هاني بن عمرو أبو شريح الخزاعي، ما أسند أبو شريح الخزاعي، سعيد المقبري عن أبي شريح، ر: ٤٩١، ٢٢/١٨٨۔

(۲) "الحديقة الندية شرح الطريقة المحمدية"، عبد الغني النابلسي (ت١١٤٣هـ)، الباب الأوّل، الفصل الأوّل، النوع الأوّل في الاعتصام بالكتاب، ١/٦٢۔

وحدت قرآن پر ائمۂ متقدمین اور کثیر علماء کی عبارتوں سے استدلال

اور امام اجل سیدی عارف باللہ عبد الوہاب شعرانی شافعی قدس سرہ الربانی نے اپنی کتاب ''میزان الشریعۃ الکبریٰ'' میں فرمایا: اہلِ سنت وجماعت نے اس کو جو مصاحف میں مکتوب ہے حقیقۃً کلامِ الٰہی قرار دیا، اگرچہ اس کا پڑھنا ہماری جانب سے صادر ہوتا ہے، تو اس بات کو سمجھو! اور اس سے زیادہ نہ کچھ کہا جاتا ہے نہ کسی کتاب میں مسطور کیا جاتا ہے اھ(۱)۔

اور کتاب ''الیواقیت والجواہر فی عقائد الاکابر'' کے سولہویں مبحث میں فرمایا: وحیِ الٰہی کا الفاظ میں ظاہر ہونا، اس کی مثال ایسی ہے جیسے جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام دحیہ کی صورت میں ظاہر ہوئے؛ اس لئے کہ جبرئیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام جب دحیہ کی صورت میں ظاہر ہوئے محض بشر نہ تھے، اور نہ محض فرشتہ تھے، اور نہ ایک ہی حالت میں بشر اور فرشتہ دونوں تھے۔ تو جیسے جبرئیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والتسلیم کی صورت دیکھنے والوں کی نظر میں بدل گئی اور جس حقیقت پر وہ تھے وہ نہ بدلی، اسی طرح کلامِ ازلی اور امرِ الٰہی کبھی عربی زبان میں اور کبھی عبرانی زبان میں اور کبھی سریانی زبان میں متمثّل ہوتا ہے، اور وہ کلام اپنی ذات میں امرِ واحد ازلی ہے اھ(۲)۔

---

(۱) "ميزان الشريعة الكبرى"، الشعراني (ت٩٧٣هـ)، كتاب البيوع، باب ما يجوز بيعه وما لا يجوز، الجزء الثاني، صـ٦٧، دار الفكر بيروت، ط١۔

(۲) "اليواقيت والجواهر في عقائد الأكابر"، الشعراني (ت٩٧٣هـ)، المبحث السادس عشر في حضرات الأسماء الثمانية بالخصوص، الجزء الأوّل، صـ١٧٠، دار إحياء التراث العربي، بيروت ١٤١٨هـ، ط١ ۔

اور سیدی محی الدین (ابن عربی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کتاب ''فتوحات'' کے باب الاسرار میں فرمایا: اگر قدیم حادث میں حلول کرے تو اللہ کو مجسّم ماننے والوں کی بات صحیح ٹھہرے گی، قدیم (کسی حادث میں) حلول نہیں کرتا، اور نہ محل (حوادث) ہوتا ہے، قرآن کا ذکر امان ہے، اور اس پر ایمان لانا واجب ہے، اور اسی پر ایمان لانا واجب ہے کہ وہ کلام الرحمٰن ہے، باوجودیکہ اس کے حروف زبان میں ایک دوسرے سے منقطع ہوتے ہیں، اور اس کے حروف منتظم اس میں متجلی ہیں جو قلم اور ہاتھ سے لکھا گیا، تو لوحیں اور قلم حادث ہیں، اور کلامِ الٰہی حادث نہیں، اور عقلوں پر اوہام حاکم ہوئے اھ(۱)۔

''شرح فقہِ اکبر'' جو امامِ اہلِ سنت علَمِ ہدایت ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے میں ہے، اور اس کی نسبت کا علم اللہ ہی کو ہے: کلامِ الٰہی اس وجہ سے کہ وہ مَصاحف میں مکتوب ہو کر ظاہر ہوا اس کو یوں موصوف نہ کیا جائے گا کہ وہ ذاتِ باری سے زائل ہو گیا، اور ہم یہ نہیں کہتے کہ کلامِ الٰہی مصحفوں میں حلول کئے ہوئے ہے؛ کہ یہ بات زوالِ صفت کا قول ٹھہرے، اس امر پر یہ بات دلالت کرتی ہے کہ اگر وہ لکھا ہوا کلامِ الٰہی نہ ہو تو کلامِ الٰہی بندوں کے درمیان معدوم ہو گا، اور یہ بات تفویتِ کلامِ الٰہی کی طرف لے جائے گی اھ(۲)۔

کتاب ''الإبانہ عن اصول الدیانہ'' میں ہے جس کا نسخہ امامِ اہلِ سنت ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے (واللہ اعلم): اگر کوئی یہ کہے کہ ہم

---

(۱) "الفتوحات المكية في معرفة الأسرار المالكية والملكية"، (ت٦٣٨هـ)، ٣٥٦/٤ ملتقطاً، دار إحياء التراث العربي، بيروت، ط١۔

(۲) "شرح الفقه الأكبر"، أبو منصور الماتريدي (ت٣٣٣هـ)، البحث في كلام =

سے بات کرو! کیا تم یہ کہتے ہو کہ بے شک اللہ کا کلام لوحِ محفوظ میں ہے؟ اُس سے کہا جائے گا: ہم یونہی کہتے ہیں: اس لئے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌۙ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ۠﴾ [البروج: ۲۱، ۲۲]

بلکہ وہ کمال شرف والا قرآن ہے لوحِ محفوظ میں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

تو قرآن لوحِ محفوظ میں ہے، اور وہی ان کے سینوں میں ہے جو علم دیئے گئے، اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ [العنکبوت: ۴۹]

بلکہ وہ روشن آیتیں ہیں ان کے سینوں میں جن کو علم دیا گیا۔

(ترجمہ کنز الایمان)

اور اسی کی زبانوں سے تلاوت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ﴾ [القیامۃ: ۱٦]

قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دو! (ترجمہ کنز الایمان)

اور قرآن ہمارے مَصاحف میں فی الحقیقت مکتوب ہے، اور ہمارے دلوں میں درحقیقت محفوظ ہے، وہی ہماری زبانوں سے فی الحقیقت پڑھا جاتا ہے، اور وہی درحقیقت ہمارا مسموع (شنیدہ) ہے، چنانچہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ﴾ [التوبۃ: ٦]

تو اسے پناہ دو: کہ وہ اللہ کا کلام سنے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور ایک قوم نے تو کہا: ہمارا قرآن کے الفاظ کو ادا کرنا یہ ضرور ثابت کرتا ہے

= اللّٰہ تعالی، صـ۳۵، ۳٦، مجلس دائرۃ المعارف النظامیۃ، حیدرآباد الدکن۔

کہ وہ مخلوق ہے، اور انھوں نے اپنی بدعت کو اور قرآن کے مخلوق ہونے کے بارے میں اپنے قول کو مزین کیا، تو انھوں نے اپنے کفر کو اس سے چھپایا جس کو ان کے قول کے معنی پر اطلاع نہیں، پھر جب ہمیں ان کی مراد پر اطلاع ہوئی، ہم نے ان کے قول کا انکار کیا، لہذا یہ جائز نہیں کہ کہا جائے کہ قرآن میں سے کچھ مخلوق ہے؛ اس لئے کہ پورا قرآن غیرِ مخلوق ہے اھ[1] باختصار۔

امام نسفی نے فرمایا جیسا کہ ان سے کتاب ''مطالب وفیہ'' میں نقل فرمایا: قرآن اللہ کا کلام اور اس کی صفت ہے، اور اللہ تعالی اپنی تمام صفات کے ساتھ ایک ہے قدیم ہے، نہ وہ حادث ہے نہ مخلوق ہے، اور وہ قرآن بے حرف اور بے آواز ہے، اور مَقاطع (انقطاعِ کلام کے محل) اور مَبادی (محلِ بدایتِ کلام) سے منزہ ہے، نہ وہ عینِ ذات ہے نہ غیرِ ذات، اس کے باوجود زبانوں سے پڑھا جاتا ہے، دلوں میں محفوظ ہے، مَصاحف میں مکتوب ہے، اور وہ قرآن مَصاحف میں رکھا ہوا نہیں اھ[2]۔

شارح ''عقیدۃ الطحاوی'' نے فرمایا جیسا کہ ''منح الروض الازہر'' میں ان سے حکایت کیا: جو یہ کہے کہ وہ جو مَصاحف میں مکتوب ہے کلامِ الٰہی سے عبارت ہے، یا اللہ تبارک وتعالی کے کلام کی حکایت ہے اور اس میں کلامِ الٰہی متجلی نہیں، تو اس نے

---

(۱) "الإبانة عن أصول الديانة"، الإمام أبو الحسن الأشعري (ت۳۳۰هـ)، صـ۲۲۷، ۲۲۸، مجلس دائرة المعارف النظامية، حيدرآباد الدكن ۱۳۲۱هـ (مطبوع مع "شرح الفقه الأكبر" لأبي منصور الماتريدي).

(۲) "المطالب الوفية".

کتاب وسنت اور سلفِ امت کی مخالفت کی اھ[۱]۔

''کنز الفوائد شرح بحر العقائد'' میں فرمایا: (قرآن کے) کسی صورت میں ظاہر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ صورت والا ہو، کیا نہیں دیکھتے کہ خدا کا کلامِ نفسی کتابت، قرأت اور قوتِ متخیلہ میں ظاہر ہوا باوجودیکہ (حقیقت میں) اس کے لئے ان صورتوں میں سے جن میں وہ ظاہر ہوا کوئی صورت نہیں اھ[۲]۔

''جمع الجوامع'' میں فرمایا: قرآن اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام ہے جو اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے، اور وہ مخلوق نہیں، نیز وہ اس کے باوجود حقیقۃً نہ کہ مجازاً ہمارے مَصاحف میں مکتوب ہے، ہمارے سینوں میں محفوظ ہے، ہماری زبانوں سے پڑھا جاتا ہے اھ[۳]۔

اللہ نے اپنے احسان سے اپنے دو بندوں قاضی عضد الدین صاحب ''مواقف'' اور علامہ سید شریف شارح ''مواقف'' کو بچایا، تو اول الذکر نے مذہبِ حق میں مستقل مقالہ تصنیف فرمایا جس میں انہوں نے اجماعِ سلف کی پیروی کی، اور دوسرے صاحب نے ''شرح مواقف'' میں ان کی تائید کی، اور ان کے بازو کو زور دیا، حالانکہ یہ دونوں: ''مواقف'' اور اس کی شرح میں ان نو پیدا لوگوں کے ساتھ چلتے ہیں۔

میر سید شریف قدس سرہ نے فرمایا: تمہیں معلوم ہو کہ مصنف کا اللہ تبارک

---

(۱) "منح الروض الأزهر"، صـ ٤٨۔

(۲) "كنز الفوائد شرح بحر العقائد"۔

(۳) "جمع الجوامع"۔

وتعالیٰ کے کلام کی تحقیق میں ایک منفرد مقالہ ہے، جس کے موافق انہوں نے اپنی کتاب کے خطبے میں اشارہ فرمایا، اور اس کا حاصل یہ ہے کہ لفظ ''معنیٰ'' کا اطلاق کبھی لفظ کے مدلول پر ہوتا ہے اور کبھی ایسے امر کو معنیٰ کہتے ہیں جو قائم بالغیر ہو، تو جب شیخ اشعری نے یہ فرمایا کہ کلام الٰہی معنیٰ نفسی ہے (یعنی امرِ قائم بذاتہٖ تعالیٰ)، تو ان کے اصحاب نے اس سے یہ سمجھا کہ ان کی مراد اس لفظ (کلام) کا مدلول اور اس کی تعریف ہے، اور وہ (معنیٰ نفسی) ان کے نزدیک قدیم ہے۔ رہی عبارتیں تو ان کو مجازاً کلام کہا جاتا ہے؛ اس لئے کہ یہ عبارتیں اُس معنیٰ پر دلالت کرتی ہیں جو کلامِ حقیقی ہے، یہاں تک ان لوگوں نے تصریح کی کہ الفاظ شیخ اشعری کے نزدیک ان کے مذہب پر بھی حادث ہیں، لیکن یہ عبارتیں حقیقۃً خدا کا کلام نہیں، اور یہ جو ان لوگوں نے شیخ اشعری کے کلام سے سمجھا اس سے بہت سے فاسد امور لازم آتے ہیں، جیسے اس کو کافر نہ ماننا جو مصحف کے دونوں پٹھوں کے درمیان اللہ کے کلام کا انکار کرے، حالانکہ اس کا حقیقۃً کلامِ الٰہی ہونا امورِ دین سے ضرورۃً معلوم ہے، اور جیسے اللہ کے کلامِ حقیقی کے ذریعے کافروں سے طلبِ معارضہ ومقابلہ کا معدوم ہونا، اور جیسے جو پڑھا جاتا ہے اور جو سینوں میں محفوظ ہے اس کا حقیقۃً کلامِ الٰہی نہ ہونا۔ مذکورہ امور کے علاوہ کچھ اور مفاسد ان کے ساتھ منضم ہوتے ہیں جو احکامِ دینیہ میں صاحبِ فطانت پر پوشیدہ نہیں، لہٰذا واجب ہے کہ شیخ اشعری کا کلام اس پر محمول کیا جائے کہ انھوں نے معنیٰ ثانی مراد لیا (یعنی امرِ قائم بالغیر)، اب کلامِ نفسی ان کے نزدیک ایک ایسا امر ٹھہرے گا جو نظم ومعنیٰ دونوں کو شامل ہے، جو قائم بذاتہٖ تعالیٰ ہے، اور وہی مصاحف میں مکتوب، زبانوں سے پڑھا جانے والا، سینوں میں محفوظ ہے، اور وہ معنیٰ کتابت، قرأت اور حفظ سے مغائر ہے؛ کہ یہ امور حادث ہیں، اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ حروف والفاظِ قرآنی

مترتب ہیں، ایک دوسرے کے پیچھے لگے آتے ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ترتیب تو صرف (ہمارے) تلفظ میں ہے، اس سبب سے کہ ہمارے آلات (زبان وغیرہ) نامُساعد ہیں، تو تلفظ حادث ہے، اور وہ دلیلیں جو حدوث پر دلالت کرتی ہیں ان کو حدوث تلفظ پر رکھنا واجب ہے، یوں نہیں کہ ملفوظ حادث ہے۔ مختلف دلیلوں میں تطبیق دینے کے لئے (یہ تقریر ضروری ہے)، اور یہ جو ہم نے ذکر کیا اگرچہ یہ ہمارے اصحاب متأخرین کے مخالف ہے، مگر تأمل کے بعد تمہیں اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ شارح مواقف کا کلام تمام ہوا۔ اور شیخ اشعری کے کلام کا یہ پہلو وہ ہے جسے شیخ محمد شہرستانی نے اپنی کتاب مسمّٰی بہ ''نہایۃ الاقدام'' میں اختیار کیا، اور اس میں شبہہ نہیں کہ یہ پہلو ان ظاہری احکام سے نزدیک تر ہے جو قواعدِ ملت کی طرف منسوب ہیں اھ[1]۔

آں موصوف رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''مواقف'' کے خطبے میں فرمایا: اور اللہ نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ عربی روشن کتاب اتاری، اور اپنے بندوں کے لئے اُن کا دین کامل کیا، اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اپنی نعمت تمام فرمائی، اور بندوں کے لئے دینِ اسلام کو پسند کیا، نبی پر کرم والی کتاب اور قرآن قدیم کو نازل فرمایا، غایات واوقاف والی (یعنی جہاں قاری کی قرأت ختم ہوتی ہے اور جہاں وہ وقف کر کے ٹھہرتا ہے)، جو دلوں میں محفوظ ہے، زبانوں سے پڑھی جاتی ہے، مَصاحف میں لکھی جاتی ہے اھ[2]۔

سید قدس سرہ نے (اس کی شرح میں) فرمایا: (مصنف نے) قرآن کو قِدَم

---

(۱) "شرح المواقف"، المرصد الرابع، المقصد السابع في أنه تعالى متكلم، الجزء الثامن، صـ ١١٦ـ ١١٨۔

(۲) "المواقف"، عضد الدين (ت٧٥٦هـ)، مقدّمة المؤلّف، الجزء الأوّل، =

سے موصوف کیا، پھر ایسے مضمون کی تصریح کی جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قرآن بھی عبارات منتظمہ ہیں جیسا کہ یہ سلف کا مذہب ہے؛ اس لئے کہ سلف نے فرمایا کہ: حفظ، قرأت اور کتابت حادث ہیں، لیکن ان امور کا متعلق یعنی جو سینوں میں محفوظ ہے، جو پڑھا جاتا ہے اور جو مکتوب ہے وہ قدیم ہے، اور یہ جو وہم ہوتا ہے کہ کلمات اور حروف کی ترتیب اور کلام کو نہایت اور وقف عارض ہونا جو اس کے حادث ہونے پر دلالت کرتے ہیں تو یہ وہم باطل ہے؛ اس لئے کہ یہ ترتب وغیرہ قرأت کے آلات میں قصور کی وجہ سے ہے۔ رہی وہ بات جو شیخ ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ تعالی سے بشہرت مشہور ہے کہ: ''قدیم وہ معنی ہے جو قائم بذاتہ تعالی ہے ان عبارات حادثہ کے ذریعے اس معنی کی تعبیر فرمائی''، تو کہا گیا کہ یہ ناقل کی غلطی ہے، اس کا منشاء لفظ ''معنی'' کا دو امر میں مشترک ہونا ہے، پہلا: وہ مفہوم جو لفظ کے مقابل ہے، اور دوسرا: وہ معنی جو قائم بالغیر ہے، اور اس کی وضاحت ان شاء اللہ تعالی اس کے بعد ہونے والی تقریر میں عنقریب زیادہ ہوگی اھ[1]۔

حسن چلپی نے فرمایا: شارح عنقریب مصنف کے مذہب کی تحقیق اثنائے مبحثِ کلام میں اس کے موافق بیان کریں گے جو مصنف نے اس جگہ سمجھایا کہ یہ بات سلف کے موافق ہے، اور اسی پر شرح مختصر میں نص فرمائی اھ[2]۔

مقصدِ سابع کے شروع میں اس بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالی متکلم ہے،

= صـ۲٤، ۲٥، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱٤۱۹ھـ، ط۱ ۔

(۱) "شرح المواقف"، الجرجاني (ت۸۱٦ھـ)، مقدّمۃ المؤلّف، الجزء الأوّل، صـ۲٥، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱٤۱۹ھـ، ط۱۔

(۲) "حاشیۃ الحلبي علی شرح المواقف"، مقدّمۃ المؤلّف، الجزء الأوّل، صـ۲٥ ۔

شرع شریف سے یہ ثابت ہے کہ کلامِ الٰہی اس کی صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے، اس کے موافق جو کلامِ لفظی کے بارے میں سلف کی رائے ہے اھ[1]۔

اس کو بحر العلوم ابو العیاش عبد العلی نے بھی ''فواتح الرحموت'' میں پسند فرمایا، جبکہ انھوں نے تعددِ قرآن پر اس اِشکال کو وارد کرنے کے بعد فرمایا کہ: کلام کا اِطلاق کلامِ نفسی پر اِطلاق مجازی ہے، اور کلامِ لفظی پر اس کا اِطلاق حقیقت ہے، یا معاملہ اس کے برعکس ہے، یا دونوں معنی میں اس کا اِطلاق حقیقت ہے، پہلی تقدیر پر (جبکہ کلام کا اطلاق معنیٰ نفسی پر مجازی ہو) یہ لازم آئے گا کہ جو اللہ کا کلام ہے در حقیقت مخلوق وحادث ہو، اور جو مخلوق نہیں وہ حقیقت میں اللہ کا کلام نہ ہو؛ اس لئے کہ علماء نے یہ کہا ہے کہ کلامِ لفظی حادث ہے اور کلامِ نفسی قدیم ہے۔ اور دوسری تقدیر پر (جبکہ کلام کا اِطلاق معنیٰ نفسی پر حقیقت ہو) لازم آئے گا کہ یہ جو پڑھا جاتا ہے حقیقۃً کلامِ الٰہی نہ ہو، یہ بات اگرچہ التزام کرلی جائے، لیکن کسی مسلم کو یہ کہنے کی جرأت نہ ہوگی۔ اور تیسری تقدیر پر (جبکہ اِطلاق کلامِ لفظی و نفسی دونوں معنی میں حقیقت ہو) لازم آئے گا کہ جو یہ کہے کہ قرآن اللہ کا اتارا ہوا نہیں اس سے مؤاخذہ نہ ہو؛ اس لئے کہ اگر وہ کلام سے نفسی مراد لے تو اس کی یہ بات صادق آتی ہے، اور ارتداد وشبہہ سے ثابت نہیں ہوتا، باوجودیکہ اس قول پر صحابہ وتابعین کی طرف سے مؤاخذہ ہونا بتواتر منقول ہے۔ (اور یہ بھی تواتر سے ثابت ہے کہ) انہوں نے اس بات پر قائل کو قتل کرنے کا حکم فرمایا ہے، تو جب بات یہ ہے تو سچی اور راست بات جس کا اعتقاد فرض ہے وہ یہ

---

(۱) "حاشية الحلبي على شرح المواقف"، المرصد الرابع، المقصد السابع في أنه تعالى متكلّم، الجزء الثامن، صـ ۱۰٤ ـ

ہے جو صاحب ''مواقف'' سے منقول ہے کہ: یہ جو پڑھا جاتا ہے حقیقۃً اللہ کا کلام ہے، اور وہ ایک بسیط صفت ہے جو ذاتِ الٰہی کے ساتھ قائم ہے، اور اس (کلامِ قدیم) کے خبر و انشاء کے ساتھ تعلقات ہیں، اور انہیں تعلقات کے موافق یہ کلام خبر و انشا ٹھہرتا ہے، اور وہ صفتِ قدیمہ ہے جو غیر مخلوق ہے، جیسا کہ باقی صفاتِ الٰہیہ میں یہی معاملہ ہے، اور وہی رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پر نازل ہوا، اور جب یہ قرآن زبان کی حرکت سے صادر ہوتا ہے تو یہ صفت اجزاء میں متجلی ہوتی ہے؛ اس لئے کہ زبان کلامِ بسیط و غیر مرکّب کے تکلّم میں مُساعدت نہیں کرتی، اور مظاہر کے اختلاف سے ظاہر مختلف ہوجاتا ہے، اور اس میں کوئی بُعد نہیں۔ تو کلامِ الٰہی اس کی صفتِ واحدہ ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے، اس کے تعیّنات مختلف مَحال میں مختلف ہوجاتے ہیں، اور یہ صفت اپنی حدِ ذات میں قدیم ہے، تو جب یہ کلام جبرئیل کی زبان پر نازل ہوا تو وہاں اس صفت کو مختلف تعیّنات کا جامہ پہنایا (جن کے اعتبار سے) وہ مرکّب ہوکر جلوہ گر ہوئی، پھر جب جبرئیل نے اس کو پڑھا اس حال میں کہ وہ غیر قارّہ[1] تھی، پھر رسول نے اس کو سنا تو ان کے سینے میں وہ محفوظ ہوگئی جیسے انہوں نے اس کو مرتّب سنا،

---

(۱) قولہ: غیر قارّۃ (یعنی اس کے اجزاء معاً مجتمع نہ تھے) ''تعریفاتِ سید'' میں فرمایا: الأعراض على نوعين: قارّ الذات: وهو الذي يجتمع أجزاؤه في الوجود كالبياض والسواد، وغير قارّ الذات: وهو الذي لا يجتمع أجزاؤه في الوجود كالحركة والسكون۔ یعنی اَعراض کی دو قسمیں ہیں: (۱) قارّ الذات: اور وہ اس عرض کو کہتے ہیں جس کے اجزاء وجود میں مجتمع ہوں، جیسے سفیدی و سیاہی، (۲) غیر قارّ الذات: اور وہ ایسی عرض ہے جس کے اجزاء وجود میں معاً اکٹھے نہ ہوں، جیسے حرکت و سکون۔ ["التعريفات"، الجرجاني (ت۸۱٦هـ)، تحقيق إبراهيم الأبياري، باب العين، تحت ر: ۹٦۲، صـ۱۲۲، دار الكتاب العربي ۱٤۲۳]

لیکن اب سینے میں استقرار کی صفت پر، تو حقیقت ایک ہے اور اس کے مظاہر مختلف ہیں، تو کبھی کسی جامے میں ظاہر ہوتی ہے تو بارے دیگر دوسرے جامے میں ظاہر ہوتی ہے، اور ایک شئے کا مختلف تعیّنات میں ظاہر ہونا کچھ مستبعد نہیں۔ یہی وہ بات ہے جس کا امامِ ہمام اعظمِ الائمہ نے قصد فرمایا؛ اس لئے کہ انہوں نے ''فقہ اکبر''[1] میں (اور جو ہم نے پہلے ذکر کیا اس کلام کو نقل کر کے) فرمایا: لفظ سے مراد تلفظ ہے، اور تلفظ ہمارا فعل ہے جو البتہ مخلوق ہے، یا اس سے مراد وہ تعیین ہے جس جامے میں قرآن زبان پر جلوہ گر ہوا، اور یہ تعیین بھی مخلوق ہے جس میں کچھ شک نہیں، اور علماء کے اس قول کہ: "القرآن غير مخلوق" میں لام تعریفِ عہد کے لئے ہے، یعنی وہ قرآن جو خدا کی صفت ہے مَصاحف میں مکتوب، سینوں میں محفوظ اور رسول پر نازل ہونے والا، اور پڑھا جانے والا فی نفسہ غیر مخلوق ہے، اگر چہ اس کے وہ تعیّنات جو کتابت، قرأت اور حفظ ونزول میں ہیں مخلوق ہیں[2]۔

نیز ان امامِ مذکور نے اس عبارت شریفہ کے بعد فرمایا: اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام نے اللہ کا کلام سنا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا﴾ [النساء: ١٦٤]

اور اللہ نے موسیٰ سے حقیقۃً کلام فرمایا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

---

(۱) "الفقه الأكبر"، صـ۹۱ـ۹٤۔

(۲) "فواتح الرحموت بشرح مسلّم الثبوت"، بحر العلوم عبد العلي (ت١٣٠٤هـ)، الأصول في المقاصد، صـ٣١١، ٣١٢، المطبع لمنشي نَوَلكِشَور، اللكنو۔

اور اللہ تعالیٰ متکلم تھا جب حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام سے کلام نہ فرمایا تھا، پھر جب حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام سے کلام فرمایا تو ان سے اسی کلام سے متکلم ہوا جو اس کی صفتِ اَزَلی ہے، اور ممدوح مذکور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ کلام اس امر میں نص ہے کہ کلامِ قدیم اور جو نازل ہوا شیٔ واحد ہے، نیز فرمایا: اور اللہ تعالیٰ تکلم فرماتا ہے، اس کا کلام ہمارے کلام کی طرح نہیں، ہم آلات وحروف کے ذریعے تکلم کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے آلہ وحرف کے بغیر تکلم فرمایا ہے، اور حروف مخلوق ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق نہیں، اور یہ اس لیے کہ (کلامِ الٰہی) کے حروف ان تعینات کی جہات میں سے ایک جہت ہے، جس کے جامے میں کلام ہمارے تلفظ کے وقت ظاہر ہوا، اور اس میں شک نہیں کہ یہ تعینات مخلوق ہیں [۱]۔

پھر امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ کلام ذکر کیا جو آپ نے اپنے وصایا [۲] میں فرمایا، اس کے بعد فرمایا: اور اس کے مثل کلام دوسرے ائمہ سے بھی منقول ہے، اور محققینِ حنابلہ نے جو کچھ فرمایا اور اس امامِ جلیل احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا کہ: ''وہ قرآن جو غیرِ مخلوق ہے وہی پڑھے جانے والے الفاظ ہیں''، اس سے اُن کی مراد وہی ہے جو ہم نے بیان کی، اور ان حنابلہ میں سے وہ لوگ جو ان محققین کے بعد آئے، وہ اس کے معنیٰ کو سمجھنے کے لیے گہرائی میں نہ گئے، اور انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ وہ حروف اسی ترتیب کے ساتھ قدیم ہیں، (بات یہاں تک پہنچی کہ لوگوں کا)

---

(۱) "فواتح الرحموت بشرح مسلّم الثبوت"، الأصول في المقاصد، صـ۳۱۲ ۔

(۲) "كتاب الوصية"، صـ۶۴۔۶۶۔

طعنہ ان کی طرف متوجہ ہوا، اور ’’تمہید‘‘(۱) شیخ عبد الشکور (۲) سالمی میں بھی یہ مضمون وافی ہے، یہ وہ ہے جو ہم نے تمہیں اجمالی طور پر بتایا، چونکہ اس عظیم مطلب کے اظہار میں تقصیر کی رخصت نہیں؛ اس لیے کہ اس امام ہُمام احمد بن حنبل نے اسی مقصد کے لیے اپنی جان دینا اختیار فرمایا، اور اس بلند مرتبہ عارف باللہ داؤد طائی نے فرمایا کہ:

احمد بن حنبل (ہدایتِ خلق کے لیے) انبیاء علیہم الصلاۃ و السلام کے قائم مقام ہوئے (۳) اھ مختصراً۔

أقول: (بحر العلوم نے) صاحب ’’مواقف‘‘ سے جو نقل کیا اس میں ایک گونا اس مضمون کی مخالفت ہے جو میر سید شریف نے صاحب ’’مواقف‘‘ کے مقالے سے نقل کیا، جیسا کہ ہم عنقریب ان شاء اللہ تعالیٰ اسکی طرف اشارہ کریں گے، اور یہ کچھ مضر نہیں، اس لیے کہ ہماری مراد یعنی کلامِ الٰہی کی وحدت اور اس کی نفسی قدیم اور لفظی حادث کی طرف تقسیم کا بطلان دونوں وجہوں پر حاصل ہے۔

بحر العلوم نے یہ جو شقیں ذکر کیں کہ ’’کلام (۱) لفظی میں، یا (۲) نفسی میں، یا (۳) دونوں معنیٰ میں حقیقت ہے‘‘، تو میں کہتا ہوں کہ: اس کی ایک چوتھی شق بھی ہے، تو اس کی حقیقتِ معنیٰ دونوں کو عام ہے، اور ابنِ ہُمام نے یہ شق ’’مسایرہ‘‘ میں

---

(۱) "تمهيد أبي شكور السالمي"، القول الثامن عشر في نزول القرآن ووحيه، والقول التاسع عشر في أنّ القرآن ما هو، صـ۸۷ـ۹۳، نعماني كتب خانه، كابل، ط۲۔

(۲) كذا في نسخ الطبع، وصوابه أبو شكور۔ منه.

(۳) "فواتح الرحموت بشرح مسلّم الثبوت"، الأصول في المقاصد، صـ۳۱۲ ۔

اختیار فرمائی، جبکہ انہوں نے یہ کہا کہ: ''یہ شق زیادہ وجیہ ہے''(۱)، اور ان کے اس مضمون کو ان کے دو شاگردوں ابن قطلو بغا اور ابن ابی شریف نے مقرر رکھا(۲)، اور اس پر وہی اعتراض وارد ہوتا ہے، جو ان کے احتمالات پر وارد ہوا؛ اس لیے کہ خاص پر عام کا اِطلاق نہ تو بعید ہے، نہ اس میں کچھ خرابی ہے، بلکہ یہ اِطلاق لفظ کی حقیقت ہے، جبکہ معنیٔ خاص اسی خصوصی حیثیت کے ساتھ مراد نہ ہو، جیسا کہ ''شرح تلخیص'' میں بیان ہوا(۳)، اور میں نہیں جانتا کہ ہم میں سے کون اُس پہلے احتمال کی طرف گیا، اور ملا علی قاری نے "منح الروض" میں تفتازانی کی تبعیت میں دوسرے احتمال کو تیسرے احتمال کو تحقیق ٹھہرانے کے بعد ظاہر قرار دیا(۴)، اور خود انہوں نے ''زبدہ شرح بردہ'' میں اس کی نسبت مشائخِ متقدمین کی طرف کی، (ملا علی قاری نے کہا:) اسی لیے کلامِ الٰہی کی مشائخ نے یہ تعریف کی کہ ''وہ ایسی صفت ہے جو حروف کے مظہر

---

(۱) "المسايرة"، ابن الهمام الحنفي (ت٨٦١هـ)، صـ٨٣، المكتبة التجارية الكبرى، مصر (مطبوع مع شرحه "المسامرة")۔

(۲) "المسامرة بشرح المسايرة"، ابن أبي شريف الشافعي (ت٩٠٦هـ)، هو سبحانه متكلم بكلام قائم بذاته، صـ٨٣، المكتبة التجارية الكبرى، مصر، و"شرح المسايرة"، ابن قطلوبغا الحنفي (ت٨٧٩هـ)، هو سبحانه متكلّم بكلام قائم بذاته، صـ٨٣، المكتبة التجارية الكبرى، مصر ۔

(۳) "شرح التلخيص"، التفتازاني (ت٧٩٢ هـ)۔

(۴) "منح الروض"، القرآن كلام الله... إلخ، صـ٩٢۔

میں جلوہ گر ہوئی، تو مظہر کے اعتبار پر وہ حادث ہے، اور صفت کے اعتبار سے قدیم ہے'' اھ[۱]۔

أقول: یہ بات پردے کے پیچھے سے ہے؛ اس لیے کہ جب مظاہر میں جلوہ گر ہونے کی بات ٹھہری اور یہی یقیناً ائمہ متقدمین کا مذہب ہے، تو جلوہ فرما ہونے والے کلام میں اصلاً تعدد نہیں، لہذا نہ ارتکاب مجاز ہے اور نہ (کلامِ الٰہی لفظی و نفسی میں) مشترک ہے، اور بہت سے لوگوں نے دو اخیر احتمالوں میں تردّد کیا، جیسے امام عبدالعزیز بخاری نے ''کشف الاسرار''[۲] اور ''غایۃ التحقیق''[۳] میں، اور تفتازانی نے ''شرح مقاصد''[۴] میں، اور تیسرے احتمال پر امام صدر الشریعہ نے ''توضیح''[۵]

---

(۱) "الزبدة العمدة في شرح البردة"، القاري (ت١٠١٤هـ) الباب السابع في القرآن، تحت البيت: آيات حق من الرحمن محدثة قديمة صفة الموصوف بالقدم، صـ٨٦، جمعيت علماء سكندريه خير پور سنده۔

(۲) "كشف الأسرار شرح أصول البزدوي"، عبدالعزيز البخاري (ت٧٣٠هـ)، تحقيق محمد المعتصم بالله البغدادي، الدليل الأوّل: الكتاب، ١/ ٨٤۔

(۳) "غاية التحقيق" عبدالعزيز البخاري (ت٧٣٠هـ) الكتاب، صـ٧، ٨، مير محمد كتب خانه كراتشي۔

(۴) "شرح المقاصد"، التفتازاني (ت٧٩٣هـ)، تحقيق الدكتور عبدالرحمن عميرة، صفات القرآن الكريم، الجزء الرابع، صـ١٥٥، منشورات الشريف الرضي ١٤٠٩هـ ط١۔

(۵) "التوضيح والتلويح"، الإمام صدر الشريعة، الباب الأوّل، صـ٧٩، مذهبي كتب خانه۔

میں جزم فرمایا، اور تفتازانی نے ''شرح عقائد'' میں ان (یعنی صدر الشریعہ) کی پیروی کی، اور یہ حکم لگایا کہ یہی تحقیق ہے[1]، اور ان کی پیروی ملا علی قاری نے ''منح الروض''[2] میں کی، اور سنوسی اپنے متن ''اُمّ البراہین'' کی شرح[3] میں اس پر چلے، اور قاری نے ''زبدہ''[4] میں زعم فرمایا کہ یہی مشہور اور مذہب منصور ہے، اور اسی پر تفتازانی نے[5]، پھر قاری[6] نے اس اعتراض سے خلاصی کی بنا کی جو دوسرے احتمال پر وارد ہوا کہ (شقِ ثانی کو اختیار کرنے کی صورت میں یہ لازم آتا ہے کہ نظمِ منزّل کے کلامِ الٰہی ہونے کی نفی صحیح ہو) حالانکہ اجماع اس کے برخلاف ہے، یعنی جب لفظِ کلام دونوں معنٰی میں حقیقت ہے، تو ان دونوں میں سے کسی ایک کے (کلامِ الٰہی) ہونے کی نفی صحیح نہیں۔

---

(۱) "شرح العقائد النسفية"، التفتازاني (ت۷۹۲هـ)، تحقيق محمد عدنان درويش، صـ۱۱۷، مكتبة دار البيروتي ۱٤۱۱هـ

(۲) "منح الروض"، القرآن كلام الله... إلخ، صـ۹۵۔

(۳) "أمّ البراهين شرح العقيدة الصغرى"، السنوسي (ت۸۹۵هـ)، تحقيق الدكتور حمد صادق درويش، الكلام، صـ۵٦۔

(۴) "الزبدة العمدة في شرح البردة"، الباب السابع في القرآن، تحت البيت: آيات حقّ من الرحمن محدثة قديمة صفة الموصوف بالقدم، صـ۸٦۔

(۵) "شرح العقائد النسفية"، صـ۱۱۷۔

(٦) "منح الروض"، القرآن كلام الله... إلخ، صـ۹۵۔

علاّمہ تفتازانی وعلاّمہ علی قاری کی اختیار کردہ شق پر عمدہ تعلیق

أقول: بلکہ اب تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے (کلامِ الٰہی) ہونے کی نفی صحیح قرار پائے گی، جس طرح ہر ایک کے لیے (کلامِ الٰہی) ہونے کا اِثبات صحیح: اس لیے کہ وہ اس معنٰی پر اس سے منتفی ہے (اس لئے کہ اس معنی پر یعنی کلامِ نفسی کے اعتبار سے اس سے منتفی ہے، یعنی کلامِ نفسی سے، اور اس معنی پر یعنی کلامِ لفظی کے لحاظ سے اس کا کلامِ الٰہی ہونا کلامِ نفسی سے منتفی ہے) اور اُس معنٰی پر اُس سے منتفی ہوگا، اور مطلقاً (یعنی نفی واِثبات دونوں میں) عمومِ مشترک پر (جیسا کہ امامِ شافعی سے منقول ہے) بنا رکھنا، یا خاص نفی میں مشترک کو عام ماننا (جیسا کہ بعض حنفیہ سے منقول، اور اس مذہب کو "تحریر"(۱) میں اختیار کیا) مذہبِ منصور پر اس کی صحت سے مانع نہیں، (یعنی مصنف نے یہ جو فرمایا: "بلکہ اب تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے کلامِ الٰہی ہونے کی نفی صحیح قرار پائے گی"، اِس دعویٰ کی صحت سے ان کا عمومِ مشترک پر بنا رکھنا مانع نہیں)، علاوہ ازیں صواب سے مشابہ تر یہ ہے کہ عموم کا قول ارتکابِ تجوز ہے، تو وہ حقیقت سے مانع نہیں، اور اگر دعویٰ عموم تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ (قائل کو) فاسق قرار دینے کا موجب نہیں، چہ جائیکہ نسبتِ گمراہی کا موجب ہو، اور یہ بھی خلافِ اجماع ہے۔ (جیسا کہ مصنف کے کلام میں پہلے گذرا، اور ابھی تفتازانی

---

(۱) "التحریر"، ابن الهمام (ت ۸٦۱هـ)، الباب الثاني، ۲/ ۲۸٤، دار الفكر، بيروت ۱٤۱۷هـ، ط ۱۔

وقاری سے منقول ہوا، اور مصنف کے کلام میں آئندہ بھی اس کی تصریح آئے گی)۔

مختصر یہ کہ ان (مفاسد سے) بچنے کی کوئی صورت نہیں مگر یہ کہ کلامِ الٰہی کو واحد مانا جائے، یعنی اللہ تعالیٰ کا کلام حقیقۃً ایک ہے، اس میں اصلاً تعدد نہیں، وہی ایک قرآن ہے جو تمام مقامات میں متجلّی ہے، ارتکابِ تجوز یا مشترک ماننا صحیح نہیں؛ اس لیے کہ یہ سب تعدد کی فرع ہے۔

قاضی عضد الدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے متنِ عقائد میں فرمایا: قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام غیرِ مخلوق ہے، اور وہی مصحفوں میں مکتوب ہے جو زبانوں سے پڑھا جاتا ہے، سینوں میں محفوظ ہے، اور مکتوب، کتابت کا غیر ہے، مقروء (یعنی پڑھا جانے والا) قراءت کا غیر ہے، اور محفوظ، حفظ کا غیر ہے[1] اھ۔ یعنی کتابت، قراءت اور حفظ قطعاً حادث ہیں؛ اس لیے کہ یہ سب ہمارے افعال ہیں، اور بندوں کے افعال سب کے سب حادث ہیں جنہیں اللہ نے پیدا فرمایا ہے، اور بات ایسی نہیں جو جاہل حنابلہ کی طرف منسوب ہے کہ دین اور بداہت دونوں کے خلاف ہے۔ اور یونہی ہمارا اس قرآن کو سننا بالبداہت حادث ہے، اور مکتوب، مقروء، محفوظ اور مسموع وہی قرآنِ قدیم ہے جو ذاتِ الٰہی کے ساتھ قائم ہے، اور امامِ اجل مفتی جن وانس نجم الدین عمر نسفی قدس سرہ نے اپنے متنِ عقائد میں اسی کے مثل مضمون کی تصریح فرمائی، چنانچہ فرمایا: قرآن کلام اللہ ہے، غیرِ مخلوق ہے، اور وہی ہمارے مَصاحف میں مکتوب،

---

(۱) "المواقف"، المرصد الرابع، المقصد السابع: في أنّه تعالى متكلم، الجزء الثامن، صـ۱۱۷، بتصرّف۔

ہمارے دلوں میں محفوظ ہے، ہماری زبانوں سے پڑھا جاتا ہے، ہمارے کانوں سے سنا جاتا ہے، حالانکہ وہ ان چیزوں میں حلول نہیں کیے ہوئے ہے[1] اھ۔

علامہ تفتازانی کی تاویل پر تبصرہ

علامہ تفتازانی نے جو بات ان کے ذہن میں جمی ہوئی تھی امام نسفی کے کلام کو دُور از فہم تاویلات کے ذریعے اِسی طرف پھیر دیا، کلامِ محقق عضد الدین کو نقل کرکے اس کلام کو مستحسن بتایا، پھر اس سے یہ اعتراف کرتے ہوئے پھر گئے کہ: ''اس کلام کے فہم تک ان کی عقل نہیں پہنچتی''؛ اس لیے کہ وہ فرماتے ہیں: ہمارے بعض محققین اس طرف گئے کہ ہمارے مشائخ کے قول: "کلام اللہ تعالی معنی قدیم" سے مراد وہ معنٰی نہیں جو لفظ کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے، بلکہ وہ معنٰی مراد ہے جو (قائم بالغیر) بذاتِ خود قائم نہ ہو، جیسے کہ جملہ صفاتِ الٰہیہ، اوران کی مراد یہ ہے کہ قرآن نظم و معنٰی دونوں کا نام ہے، اور وہ قدیم ہے، اس طور پر نہیں جیسے حنابلہ کا زعم ہے کہ لفظ مرتّب مرتّب الاجزاء قدیم ہے؛ اس لیے کہ یہ بات بداہۃً محال ہے، بلکہ لفظ قائم بالنفس ہے، جیسے حفظ نفس حافظ کے ساتھ قائم ہے، بغیر اس کے کہ ایک دوسرے پر متقدم ہو، اور ترتب تو ہمارے پڑھنے میں ہوتا ہے؛ کہ ہمارا آلہ (زبان) نامُساعد ہے، یہ مضمون ان کے کلام کا حاصل ہے، اور یہ کلام اُس کے نزدیک جید ہے جو لفظ قائم بالنفس کا تعقّل کرتا ہے۔ قرآن حروفِ منطوقہ سے مرتّب نہیں ہے، اور نہ

---

(۱) "العقائد النسفية"، عمر النسفي (ت۵۳۷ھ)، تحقيق محمد عدنان درويش، ص۱۱۲-۱۱۵، مكتبة دار البيروتي ۱٤۱۱ھ.

ہی اُن حروف سے مرکّب ہے جو ہماری قوتِ متخیلہ میں ہیں، جن میں سے بعض کا وجود بعض کے عدم سے مشروط ہے۔ اور نفسِ حافظ کے ساتھ قیامِ کلام کا معنٰی ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ حروف کی صورتیں اسکے حافظے میں محفوظ ومرتسم ہوں، اس طور پر کہ جب حافظ ان حروف کی طرف اِلتفات کرے تو وہ کلام حروف والفاظِ متخیلہ سے مرکّب کلام ہو، اور جب اُن کا تلفظ کرے تو وہ کلام مسموع ہو[1] اھ ببعض تلخیص۔

مصنف علّام کی تحقیق

اقول: یہ خیال اس وجہ سے ناشی ہوا کہ انہوں نے حروف کے قدیم ہونے کا قول کیا، اور اس بات کے قائل ہوئے کہ یہ حروفِ مرتبہ معاذاتِ علیہ کے ساتھ قائم ہیں، نہ اس طور پر کہ وہ حروف ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں، جو امر انتہا کا مقتضی ہے، اور یہ دو قولوں میں سے ایک قول ہے، اور اس وجہ پر کوئی استحالہ نہیں، اور اس تقریر سے خیالی کا یہ اعتراض مندفع ہو جاتا ہے کہ اس صورت میں "لمع" اور "ملع" میں کوئی فرق نہیں رہتا، اور اس قول پر شہرستانی نے سلَف کا اِجماع نقل کیا[2]۔

علامہ قاسم نے ''مسایرۃ'' پر اپنی تعلیقات میں ابن تیمیہ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا: قرآن کے وہ حروف جو اس کے الفاظ تھے اس سے پہلے کہ جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وبارک وسلم پر ان کو نازل فرمائیں، جو یہ کہے کہ یہ حروف مخلوق ہیں، وہ اجماعِ سلَف کا مخالف ہے: اس لیے کہ ان کے زمانے میں کوئی

---

(۱)"شرح العقائد النسفية"، صـ۱۱۸، ۱۱۹۔

(۲)"نهاية الأقدام"۔

http://www.alahazrat.net

ایسی بات کہنے والا نہ تھا، سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے یہ کہا کہ قرآن مخلوق ہے: اس لیے کہ ان لوگوں (معتزلہ) نے مخلوق ہونے سے الفاظ ہی کو مراد لیا، رہا وہ جو اس کے ماسوا ہے (اس کی مراد کلامِ نفسی سے) تو وہ اس کے ثابت ہونے کا اقرار نہیں کرتے، نہ اسے مخلوق مانتے ہیں، اور نہ غیرِ مخلوق مانتے ہیں، اور بہت سے اجلّہ متکلمین نے اس مضمون کا اعتراف کیا، ازآں جملہ عبدالکریم شہرستانی ہیں، باوجودیکہ انہیں ''ملل ونحل'' (مختلف مذاہب واَدیان) کی خوب اطلاع ہے: اس لیے کہ انہوں نے یہ بیان کیا کہ سلَف مطلقاً اس طرف گئے کہ حروفِ قرآن غیرِ مخلوق ہیں، اور انہوں نے یہ کہا کہ حروف کے حادث ہونے کا قول (جو اُس زمانے) میں ظاہر ہوا، نو پیدا مذہب ہے، اور مذہب سلَف کو اپنی کتاب "نہایۃ الاقدام"(۱) میں ذکر کیا(۲) اھـ۔

عبارات متقدمہ پر مصنف علّام کی نفیس تعلیق وتحقیق

اَقول: اگر یہ بات سلَف سے منقول ہے تو وہ بہت خوب ہے، اور میرا خیال یوں نہیں: اس لیے کہ وہ صفاتِ الٰہی میں تعمّق سے بری، اور صفاتِ الٰہی کی حقیقت میں خوض کرنے سے بہت زیادہ دور تھے، اور نبی خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حدیث میں یہ مضمون وارد ہوا کہ: ((خلق میں تفکّر کرو اور خالق میں تفکّر نہ کرو))، اس حدیث کو ابو شیخ نے ''کتاب عظمہ''(۳) میں اور ابو نعیم نے ''حلیہ'' میں حضرت

---

(۱) "نہایۃ الأقدام"۔

(۲) "شرح المسایرۃ"، ھو سبحانہ متکلم بکلام قائم بذاتہ، صـ۸٤، ۸٥ ۔

(۳) "کتاب العظمۃ"، أبو الشیخ (ت۳٦۹ھـ)، تحقیق رضا اللّٰہ بن محمد إدریس المبارکفوري، باب الأمر بالتفکر في آیات اللّٰہ عزّ وجل...إلخ، ر: ٥، =

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا[1]، اور ابو شیخ نے اتنا بڑھایا کہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((تم لوگ خالق کی قدر کو (حقیقی طور پر) نہیں جانتے))[2]۔

متعدد احادیث کی تخریج

یہ مضمون ابو شیخ کی حدیث کا ہے، اور "معجمِ اوسط"[3] میں طبرانی، اور "کامل" میں ابن عدی[4]، اور "شعب الایمان" میں بیہقی کی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کردہ حدیث میں بایں لفظ ہے کہ: ((اللہ کی نعمتوں میں تفکر

= ۲۱٦/۱، دار العاصمة، الرياض ١٤٠٨هـ، ط١۔

(۱) "حلية الأولياء وطبقات الأصفياء"، أبو نعيم (ت٤٣٠هـ)، تحقيق مصطفى عبدالقادر عطا، ر: ٦٠٧٨١١ /٦٧، دار الكتاب العربي، بيروت ١٤٠٥هـ، ط٤۔

(۲) "كتاب العظمة"، باب الأمر بالتفكر في آيات الله عزّ وجل...إلخ، ر: ٥، ٢١٦/۔

(۳) "المعجم الأوسط، الطبراني (ت٣٦٠هـ)، تحقيق محمد حسن محمد إسماعيل الشافعي، مَن اسمه محمد، ر: ٦٣١٩، ٤ /٣٧٣، دار الفكر، بيروت ١٤٢٠هـ، ط١۔

(۴) "الكامل في ضعفاء"، ابن عدي (ت٣٦٥هـ)، تحقيق الشيخ عادل أحمد عبدالموجود، تحت ر: ٢٠١٧ وازع بن نافع العقيلي الجزري، ٨ /٣٨٥، دار الكتب العلمية ١٤١٨هـ، ط١۔

کرو اور اللہ کی ذات میں تفکّر نہ کرو))[۱]، اور ابوذر رضی اللہ عنہ سے اِنہی کی روایت میں حدیث ان الفاظ سے ہے: ((اللہ کی خلق میں تفکّر کرو اور اللہ کی ذات میں تفکّر مت کرو؛ کہ ہلاک ہو جاؤ گے))[۲]۔

ابن تیمیہ کا دعوی باطل ہے

اگر یہ بات خلقِ قرآن کے قائلین پر سلف کے اعتراض سے، بلکہ ان لوگوں کو کافر ٹھہرانے سے اخذ کی جائے؛ اس لیے کہ ان قائلین نے لفظ کے سوا کچھ مراد نہ لیا؛ اس وجہ سے کہ انہوں نے اس کے سوا کچھ اور نہ جانا، جیسا کہ ابن تیمیہ نے کہا، تو یہ دعویٰ تام نہیں، بلکہ باطل ہے جو اَصوات سے منقوض ہے؛ اس لیے کہ عامۃ الناس اَصوات ہی کو حروف جانتے ہیں، اور وہ (اَصوات) شکلیں اور کیفیتیں ہیں جو ہوا کے ساتھ قائم ہیں، جیسا کہ پہلے گزرا (یعنی ''الکشف شافیا'' میں مصنف نے بیان فرمایا)، اور کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ وہ ان اَصوات کے حادث ہونے میں شک کرے، بلکہ وہ تو ہم سے زیادہ حادث ہیں؛ اس لیے کہ یہ ہمارے فعل سے حادث ہوتی ہیں۔ اب بات حنابلہ کے جاہل متاخرین کے مذہب تک منجر ہوگی، اور اگر ایسا نہیں تو قرآن کو مخلوق ماننے والوں نے یہ تصریح کب کی کہ ان کی گفتگو ان حروف کے بارے میں ہے جو ترتیب وتعاقب سے بالاتر اصوات اور ان کی شکلوں سے بری

---

(۱) "شعب الإيمان"، البيهقي (ت۴۵۸ھ)، تحقيق حمدي الدمراش محمد العدل، باب في الإيمان باللّٰہ عزّ وجل، ۱/ ۱۰۷، دار الفكر، بيروت ۱۴۲۴ھ، ط۱۔

(۲) "كتاب العظمة"، باب الأمر بالتفكر في آيات اللّٰہ عزّ وجل...إلخ، ر: ۴، ۱/ ۲۱۵۔

ہیں۔۔۔؟! بلکہ کب ان کا وہم اس طرف گیا۔

گویا ابن تیمیہ اُن حنبلی جاہلوں کی مدد کرنا چاہتا ہے

گویا ابن تیمیہ اُن حنبلی جاہلوں کی مدد کرنا چاہتا ہے؛ اس لیے کہ وہ بھی انہی میں سے ہے، اور اس بات میں کچھ اُس کی آنکھ اور ان جاہلوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک نہیں ہے؛ اس لیے کہ انہوں نے اسی لیے انکار کیا اور خلقِ قرآن کے قائلوں کو کافر کہا کہ قرآنِ عظیم شئی واحد ہے، جس میں اصلاً تعدد نہیں، اور وہی ان جاموں میں جلوہ گر ہے۔ تو جس نے اس پر اس تعین میں کسی شے کا حکم لگایا تو اس نے وہ حکم اس کی ذات پر لگایا؛ اس لیے کہ وہ قرآن وہی ہے (اس تعین میں وہی قرآن ہے)، نہ کہ اس کا غیر۔ تو جس نے یہ حکم لگایا کہ ابو جہل پر حملہ کرنے والا اونٹنی کا بچہ تھا جو اونٹ کی جفتی سے پیدا ہوا، تو بے شک اس نے اس شناعت کا حکم اللہ کے رسول روح امین پر لگایا؛ اس لیے کہ حملہ کرنے والے وہی جبریلِ امین تھے، نہ کہ کوئی اور، تو اگر محل شبہ اور التباس کا نہ ہوتا تو ضرور ہم اسے کافر کہتے۔ اسی طرح یہ بھی ہے، اور اس سے ان جاموں اور ان تعینات، ان کیفیات وتشکلات کا قدیم ہونا لازم نہیں آتا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ صورتِ جملیہ جبریل کے ہزاروں سال میں موجودگی کے بعد حادث ہوئی، اور اب صورتِ جملیہ کے حادث ہونے سے یہ لازم نہ آیا کہ جبریل اب رونما ہوئے، اور ہم حروف کے حادث ہونے کے بارے میں امام ائمہ، سراج امت، امامِ اعظم کی تصریحات جلیلہ پہلے ذکر کر چکے، اور امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نیز اپنی وصایا میں فرمایا: حروف، کاغذ، کتابت، ہر ایک شئی مخلوق ہے؛ اس لیے کہ یہ بندوں کے افعال ہیں، اور اللہ سبحانہٗ

وتعالیٰ کا کلام غیرِ مخلوق ہے۔۔۔الخ(۱)۔

حق یہ ہے کہ حروف منقطع ہونے والی آوازوں کے معنیٰ پر یقیناً حادث ہیں۔

کیا کلامِ ازلی حروف ہیں

رہی یہ بات کہ کلامِ ازلی میں ایسے حروف ہیں جو حروف واصواتِ حادثہ کی ہم جنس نہیں، اور ان حروف میں نہ تو تعاقب (کہ ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہوں)، اور نہ ترتیب ہے، اور نہ ان حروف میں انقطاع واختتام ہے، تو یہ ایسی چیز ہے جس کا ہمیں علم نہیں، اور ہم اپنے رب کی پناہ چاہتے ہیں اس سے کہ ہم اللہ کے بارے میں وہ بات کہیں جس کا ہمیں علم نہیں، اور یہی صفاتِ کریمہ کی حقیقت میں خوض (ممنوع) ہے، اور ہمیں اس خوضِ بے جا سے کیا علاقہ، حالانکہ ہمیں اس سے منع کیا گیا۔ تو قاضی عضد الدین سے منقول جو "فواتح الرحموت"(۲) میں ہے زیادہ صحیح اور بہتر ہے، بنسبت اس کے جو سید شریف نے ان سے نقل کیا۔

ہم نے تو اس مقام میں تین باتوں کا قصد کیا: پہلی یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام قدیم قائم بذاتہٖ ہے، جو نہ (بحسب المفہوم) عینِ خدا ہے، نہ (بحسب التحقق) غیرِ خدا ہے، اور اللہ ازل سے اسی کلام سے متکلم ہے جیسا کہ یہی معاملہ اس کے علم میں ہے۔

---

(۱) "کتاب الوصیۃ"، صـ ۶۵ بتصرّف ۔

(۲) "فواتح الرحموت"، الأصول في المقاصد، صـ ۳۱۱، ۳۱۲۔

مصنف علام کا قول فیصل

اب اگر ہم سے سوال کیا جائے کہ وہ کس کیفیت پر ہے؟ ہم اتنا ہی کہیں گے کہ ہم نہیں جانتے، اور اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں کہیں گے، اور یہ جو ہم نے ذکر کیا اس کا غیر ہماری مراد نہیں، اور اس میں تو ہمارے مخالف گمراہ لوگ ہی ہیں، جیسے: معتزلہ، کرامیہ، اور رافضی، اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں بے یارو مددگار چھوڑے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہماری ذوات، ہماری صفات، ہمارے افعال، ہماری آوازیں، اور ہمارے حروف، اور ہمارے کلمات، سب کے سب حادث ہیں، انہوں نے قِدم کی بُو بھی نہ سونگھی، اور اس بات میں ہماری مخالفت چند پاگلوں نے کی جو حنابلہ کے جاہل متاخرین ہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ جو ہم نے اپنی زبانوں سے پڑھا، اور جسے ہم نے اپنے کانوں سے سنا، اور ہم نے اسے اپنے سینوں میں محفوظ رکھا، اور ہم نے اس کو اپنی سطروں میں لکھا، وہی قرآن قدیم ہے جو ہمارے رب کے ساتھ قائم ہے، اور جو ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوا، یہ سب واقعۃً حقیقت ہے بغیر اس کے کہ اس میں مجاز کا گزر ہو، اور نہ اس میں تعدد ہے اور نہ تقسیم، اور نہ کلام کا لفظی ونفسی میں اشتراک ہے۔

ہمارے مقتدیان سلف صالحین کا مذہب

جلوہ گاہیں حادث ہیں، اور حادث ہونے سے وہ بلند وبرتر ہے جو ان میں جلوہ فرما ہے، یہی ہمارے مقتدیان سلفِ صالحین کا مذہب ہے، اور اس بات میں ہماری مخالفت ہم ہی لوگوں میں سے تو عمر متکلمین نے کی؛ اس لیے کہ معتزلہ نے ان

کے اوپر حدوث کی دلیلیں وارد کیں، جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ کا قول: ﴿مَا يَأْتِيهِم مِّن ذِكْرٍ مِّن رَّبِّهِم مُّحْدَثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ﴾ [الأنبياء: ۲]

جب ان کے رب کے پاس سے انہیں کوئی نئی نصیحت آتی ہے، تو نہیں سنتے مگر کھیلتے ہوئے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

ان کے سوا اور دلیلیں جو کتبِ کلام میں مذکور ہیں۔

اُن کے ذہنوں میں تجلّی اور ذاتِ متجلّی کے درمیان فرق روشن نہ ہوا، اور ناچار تیزروں پر سوار ہوئے، اور ائمہ کی مخالفت پر مجبور ہوئے، کہ اللہ تعالیٰ کے لیے (کلامِ لفظی مان کر) اللہ کے کلام کو حادث ٹھہرائیں، جیسے مخلوق کی بات جو ان کے طور پر حقیقۃً اللہ کا کلام ہے (یعنی شقِ ثالث پر جس میں کلام کو لفظی و نفسی میں مشترک مانا، یا کلامِ الٰہی بمعنیٰ مذکور ان کے طور پر) مجازِ متعارف ہے، حقائقِ عرفیہ کی طرح، اور اللہ کے لیے دو کلام فرض کیے: تاکہ ان دو میں سے ایک کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا صفتِ حادثہ سے منزّہ ہونا برقرار رکھیں، اور دوسرے (یعنی کلامِ لفظی) مان کر اس تنگنائے سے بچیں جس کی طرف خبیث طائفوں نے انہیں مضطر کیا۔

مصنف علّام کا نفیس تبصرہ

اقول اولاً: انہوں نے یہی نہ جانا کہ قرآن کو مخلوق ماننے والے کی تکفیر صحابۂ کرام اور تابعینِ عظام سے بتواتر منقول ہے، ان تابعین میں سے ہمارے امام بھی ہیں جو امامِ انام ہیں، اور ان صحابہ وتابعین کے بعد آنے والے ائمۂ اَعلام ہیں (جنہوں نے صحابہ وتابعین کی طرح قرآن کو مخلوق ماننے والے کی تکفیر کی، ان سے اِنعام دینے والا بادشاہ راضی ہو)، جیسا کہ ہم نے ان میں سے ایک جماعت کے

نصوص اپنی کتاب ''سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح'' (۱۳۰۷ھ) میں نقل کیے ہیں[1]، اور شاید جو ہم نے چھوڑا وہ زیادہ ہے۔ اور یہ بات کیسے جائز ہے؟! (یعنی قائلانِ خلقِ قرآن کو کافر کہنا)، باوجودیکہ ان کا عذر واضح ہے، اور ان کا یہ کلام ظاہر ہے کہ ہم مخلوق ہونے کا حکم کلامِ لفظی ہی پر لگاتے ہیں، بلکہ بے شک ''شرح مقاصد'' میں اس کی تصریح کی کہ یہی عام لوگوں، قراء، فقہاء اور اصولیین کے نزدیک متعارف ہے... الخ[2]۔ اب متعین ہوگیا کہ ان (معتزلہ) نے تو لفظی ہی کو مخلوق کہا، جس کے حادث ہونے کے آپ لوگ خود بھی قائل ہیں۔

کیا آپ کی ''مواقف'' اور ''شرح'' میں نہیں ہے کہ: یہ جو معتزلہ نے کہا ہم اس کا انکار نہیں کرتے، بلکہ ہم اس کے قائل ہیں، اور ہم اسے کلامِ لفظی کا نام دیتے ہیں، اور ہم اس کے حادث ہونے کے معترف ہیں[3]، اور ایسا ہی ''مسامرۃ'' (بالمیم)[4]

---

(۱) "العطايا النبوية في الفتاوى الرضوية"، الإمام أحمد رضا (۱۳٤۰هـ)، كتاب السير (الجزء الثاني)، ضمن رسالة "سبحان السبّوح عن عيب كذب مقبوح"، ۱۵/۳۸۰۔۳۸٤، مؤسّسة رضا، لاهور ۱٤۱۲هـ، ط۱۔

(۲) "شرح المقاصد"، المبحث السادس في أنّه متكلّم، الاستدلال على قدم الكلام، الجزء الرابع، صـ۱۵۱۔

(۳) "شرح المواقف"، المرصد الرابع، المقصد السابع في أنّه تعالى متكلم، الجزء الثامن، صـ۱۰٦۔

(٤) "المسامرة"، هو سبحانه متكلّم بكلام قائم بذاته، صـ۷۷۔

اور اس کے علاوہ دوسری کتابوں (۱) میں ہے۔

نیز دونوں (یعنی ماتن اور شارح) نے کہا کہ: اللہ تعالیٰ کے کلام کے بارے میں جو معتزلہ کہتے ہیں وہ بات یہ ہے کہ حروف اور آوازیں مخلوق ہیں، اور ان کے حادث قائم بغیرِ ذاتِ تعالیٰ ہونے کے، ہم بھی قائل ہیں، اور ہمارے اور ان کے درمیان اس میں کوئی نزاع نہیں... الخ (۲)۔

علامہ مفتیٔ ثقلین کے متن عقائد کی شرح میں ہے کہ: ہمارے اور ان کے درمیان اختلاف کی تحقیق کا مرجع کلامِ نفسی کا اِثبات (ہمارے نزدیک) اور (معتزلہ کے زعم پر) اس کی نفی ہے، ورنہ ہم الفاظ وحروف کے قدیم ہونے کا قول تو نہیں کرتے، اور معتزلہ کلامِ نفسی کو حادث نہیں مانتے (۳)۔

---

(۱) "المقاصد"، التفتازاني (ت۷۹۳ھـ)، تحقيق الدكتور عبدالرحمن عميرة، المبحث السادس في أنّه متكلم، الاستدلال على قدم الكلام، الجزء الرابع، صـ۱٤۷، منشورات الشريف الرضي ۱٤۰۹ھـ، ط۱، و"شرح المقاصد"، المبحث السادس في أنّه متكلم، الاستدلال على قدم الكلام، الجزء الرابع، صـ۱٤۷، و"منح الروض الأزهر"، القرآن غير مخلوق، صـ۹۵۔

(۲) "شرح المواقف"، المرصد الرابع، المقصد السابع: في أنّه تعالى متكلم، الجزء الثامن، صـ۱۰۸۔

(۳) "شرح العقائد النسفية"، صـ۱۱٤۔

متاخر متکلّمین سے سوال

اب اگر آپ لوگوں اور معتزلہ کے درمیان مسئلہ مخلوقیت میں کوئی اختلاف نہیں، یعنی جس (لفظی) کو معتزلہ نے مخلوق کہا (آپ نے بھی اس کو مخلوق فرمایا)، تو کس لیے ان کی تکفیر کا قول ہے...؟! بلکہ کس بات پر یہ انکار ہے...؟! کلامِ نفسی کی نفی میں تو ان سے مجادلہ کیا، اور قرآن کے مخلوق ہونے میں ان سے اتفاق کیا، جس طرح یہ معتزلہ کہتے ہیں...! والعیاذ باللہ تعالی، بلکہ آپ نے تو ان سے کھلم کھلا اتفاق کیا، تو آپ کو کیا ہوا...؟! اعتراف بھی کرتے ہیں اور انحراف بھی کرتے ہیں...؟!

رہا یہ عذر کہ ''قرآن کو مخلوق ماننے سے ممانعت ایہام کی وجہ سے ہے؛ تاکہ لوگوں کے اَوہام کلامِ نفسی کی طرف سبقت نہ کریں''، تو میں کہتا ہوں کہ: یہ بات تو ان قائلوں کو فاسق کہنے کا بھی فائدہ نہیں دیتی، چہ جائیکہ ان کو گمراہ کہا جائے، چہ جائیکہ ان کی تکفیر کی جائے، کیا تم ''مقاصد'' میں تفتازانی کے قول کی طرف نہیں دیکھتے جو انہوں نے کہا کہ: دال کی صفت کو مدلول پر جاری کرنا عام بات ہے...؟! جیسے کہ کہا جاتا ہے: ''میں نے یہ معنٰی سنا''، اور ''میں نے اس معنٰی کو پڑھا''، اور ''میں نے یہ مضمون لکھا''[1]۔ ''شرح مقاصد'' میں فرمایا: ''ہمارے اصحاب کا (معتزلہ کو) یہ دوسرا جواب ہے'' جس کی تقریر یہ ہے کہ جو نازل ہوا، اور جو پڑھا جاتا ہے، اور جو سنا جاتا ہے، اور جو مَصاحف میں لکھا ہوا ہے، الی آخر الخواص۔ وہی معنٰی قدیم ہے، لیکن وہ مجازاً اس سے موصوف ہے، جو ان حروف واصوات کی صفات کے قبیل سے ہے جو اس معنٰی پر دلالت

---

(۱) "المقاصد"، المبحث السادس في أنه متكلم، صفات القرآن الكريم، الجزء الرابع، صـ۱۵۵ ۔

کرتی ہیں، اس طور پر کہ مدلول کو دال کی صفت سے موصوف کیا جائے، جیسے کہتے ہیں: ''میں نے یہ معنٰی فلاں سے سنا''، اور''میں نے یہ معنٰی کسی کتاب میں پڑھا''، اور''میں نے یہ مضمون اپنے ہاتھ سے لکھا''(۱) اھ۔

تو جب معنیٰ قدیم کو مراد لینا اور اس کے ساتھ ساتھ اس (معنیٰ قدیم) کو صفاتِ حدوث سے موصوف کرنا جائز ہے (اور یہ برسبیلِ مجاز ہے)، پھر کیوں اس کو مخلوق کہنا ناجائز ہوگا...؟! باوجودیکہ لفظِ حادث مراد ہے، اور یہ حق حقیقت ہے، اور اگر یہ (قرآن کو مخلوق کہنا معنیٰ فاسد کے ایہام کی وجہ سے ممنوع ہے) تو پھر وہ بات (یعنی وصفِ مدلول بصفتِ دال) اس تصریحِ مذکور کے بعد کیونکر حرام نہ ٹھہرے گی...؟!۔

ایک عجب بات ان کے اس کلام کے بعد ان کا وہ قول ہے، اور یہی وہ بات ہے جو ہمارے اصحاب نے کہی کہ: قراءت یعنی قاری کی آوازیں جو اس کا کسبی فعل ہیں حادث ہے...! اور قاری کو اس کا حکم کبھی برسبیلِ وجوب ہوتا ہے، اور کبھی استحبابی ہوتا ہے، اور کبھی اس سے اسے ممانعت ہوتی ہے، اور یونہی کتابت یعنی کاتب کی حرکت اور مرتسم حروف حادث ہیں، لیکن جو قراء کے ذریعے مقروء ہے، جو مصاحف میں مکتوب ہے، جو سینوں میں محفوظ ہے، اور جو کانوں سے سنا جاتا ہے، تو وہ قدیم ہے، نہ وہ کسی زبان میں، نہ کسی دل میں، نہ کسی مصحف میں حلول کیے ہوئے ہے: اس

---

(۱) "شرح المقاصد"، المبحث السادس في أنّه متكلم، صفات القرآن الكريم، الجزء الرابع، صـ١٥٦ ۔

لیے کہ اس سے مراد وہ ہے جو قراءت سے معلوم ہوتا ہے، اور خطوط اور سنی جانے والی آوازوں سے مفہوم ہوتا ہے۔۔۔الخ۔

مجھے اپنی جان کی قسم! اس مطلب کی دشواری یہ ہے کہ جو بات ان کے زعم کے برخلاف فیصلہ کرے، ان کے ذہن (اس کو چھوڑ کر) اپنے مفہوم کی طرف جاتے ہیں، جیسا کہ تمہیں اس سے معلوم ہوا کہ ملا علی قاری نے تجلی کی بات کو مجاز پر محمول کیا، تو یہ بھی اسی قبیل سے ہے، اور ائمہ تو صاف صاف یہ کہہ رہے ہیں کہ: قراءت حادث ہے اور مقروء قدیم، اور کتابت حادث ہے اور مکتوب قدیم، اور ہماری سماعت حادث ہے اور مسموع قدیم ہے، اور ہمارا حفظ حادث ہے اور محفوظ قدیم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارے ان افعالِ حادثہ میں وہی ظاہر ہے جو قدیم ہے، جلوہ گاہیں حادث ہیں اور جلوہ فرما (کلامِ الٰہی) قدیم ہے۔ اور یہی یقیناً حق خالص ہے، اور علامہ (تفتازانی) یہ کہہ رہے ہیں: اس کا معنٰی یہ ہے کہ یہ سارے اوصاف حقیقۃً حادث کے ہیں، اور کلامِ قدیم کو مجازاً اِن اوصاف سے موصوف کیا گیا، تو اللہ کے لیے پاکی ہے! کہاں یہ بات، اور کہاں وہ بات۔۔۔؟!۔

دوسرا لاجواب سوال

ثانیاً: یہ امامِ سنت ہیں جو اپنے رب کو راضی کرنے کے لئے، اور اس کے کلام کی حرمت اور اللہ کے محبوب کی خوشنودی کے لیے ۔جل وعلا، وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اپنی جان دینے والے ہیں، یعنی سیدنا امامِ ہمام احمد بن حنبل جنہوں نے اپنی جان اس بہری مصیبت اور اندھی بلا میں دے دی، اور یہ گوارہ نہ کیا کہ ان گمراہوں کی موافقت اس بات میں کریں جس کی طرف وہ انہیں بلا رہے تھے، اور آپ کے طور پر

وہ تو امام احمد سے یہی چاہ رہے تھے کہ وہ لفظی کے مخلوق ہونے کے قائل ہو جائیں؛ اس لیے کہ وہ معتزلہ کلامِ لفظی ہی جانتے تھے، بلکہ آپ تو یہ اعتراف کر چکے کہ یہی عامۃ الناس، قرّاء، فقہاء اور اصولیین کے نزدیک معروف ہے، اور وہ لوگ بھی عامۃ الناس میں تھے، اور احمد بن حنبل تو ایک فقیہ ہی تھے، انہیں کیا ہوگیا تھا کہ انہوں نے اپنی جان تو دے دی، اور اس بات پر ان کی موافقت پر راضی نہ ہوئے جو آپ کے نزدیک اور آپ کے زعم کے مطابق اُن کے نزدیک بھی حق تھی...! اور یہی حال عام ائمہ کا ہوا جو آزمائش میں پڑے تو ثابت قدم رہے، حالانکہ قید کیے گئے، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈالی گئیں، اور انہیں طرح طرح کی خوفناک سزائیں دی گئیں (اللہ تعالیٰ انہیں دینِ اسلام اور مسلمانوں کی حمایت کا بہترین صلہ دے، اور گناہ سے پھرنے کی طاقت اور طاعت پر قدرت اللہ بلند وبرتر ہی کی طرف سے ہے)، اور ہم یقیناً جانتے ہیں کہ اگر آپ احمد بن حنبل کی جگہ ہوتے، بلکہ ان ائمہ میں سے کسی کی جگہ پر ہوتے تو جلدی سے موافقت کرتے اور مخالفت کو چھوڑ دیتے، اور یہ جو آپ لوگ ہی اپنی کتابوں میں صاف صاف موافقت کر گئے بغیر کسی ذلت کے درپیش ہوئے، تو کیا حال ہوتا سخت آزمائشوں کے وقت...؟! اللہ تعالیٰ سے ہم معافی اور عافیت مانگتے ہیں، اور وہی ہے جس سے مدد چاہی جاتی ہے۔

امام بخاری پر کیا بیتی

ثالثاً: یہ ایک عمادِ سنت اور دین کے ستون ہیں سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم اجمعین کی سنتوں کی حمایت فرمانے والے ہیں، امامِ جلیل ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری علیہ رحمۃ الباری ہیں، غور کرو! ان پر کیا بیتی ان کے اس قول کی وجہ سے

جوان کی طرف منسوب ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ: قرآن سے میرا لفظ مخلوق ہے[۱]، ان کے خلاف ان کے شیخ امامِ معتمد وجلیل محمد ذہلی اور ہر طرف کے لوگ کھڑے ہوئے اور بھڑکے اور سر اٹھایا، یہاں تک کہ انہیں نیشاپور سے نکلنے اور وہاں نہ ٹھہرنے پر مجبور کردیا، اور ذہلی نے کہا کہ: جو یہ کہے کہ میرا لفظ بالقرآن مخلوق ہے وہ بدعتی ہے، اس کے ساتھ بیٹھنا اور اس سے بات کرنا ناجائز ہے، اور اس واقعے کے بعد جو محمد بن اسماعیل بخاری کے پاس جائے تو اس کو متہم جانو! اس لیے کہ ان کی مجلس میں وہی حاضر ہوگا جو ان کا ہم مذہب ہے[۲]۔ اور دوسری نشست میں کہا کہ: یہ شخص (یعنی امامِ بخاری) میرے ساتھ اس شہر میں نہ رہے، تو امام بخاری کو اپنی جان پر اندیشہ ہوا، آپ نے وہاں سے سفر فرمایا، باوجودیکہ ان ہی ذہلی نے لوگوں کے دل اُن کی طرف متوجہ کئے تھے، اور شہر والوں کو اُن کے لیے متواضع کیا تھا، جب انہوں نے یہ سنا کہ بخاری نیشاپور کی طرف آتے ہیں، اپنے حاشیہ نشینوں سے کہا (اور ذہلی کا حکم لوگوں میں نافذ تھا): جو کل محمد بن اسماعیل کا استقبال کرنا چاہے تو ان کے استقبال کو چلے؛ اس لیے کہ میں ان کا استقبال کروں گا، تو خود انہوں نے اور نیشاپور کے عام علماء نے محمد بن اسماعیل بخاری کا خیر مقدم کیا۔ مسلم بن حجاج فرماتے ہیں: میں نے کسی امیر کو

(۱) "هدي الساري مقدّمة فتح الباري شرح صحيح البخاري"، ابن حجر العسقلاني (ت۸۵۲هـ)، الفصل العاشر في عدّ أحاديث الجامع، ذكر ما وقع بينه وبين الذهلي في مسألة اللفظ... إلخ، صـ۶۵۸ـ

(۲)"هدي الساري"، الفصل العاشر في عدّ أحاديث الجامع، ذكر ما وقع بينه وبين الذهلي في مسألة اللفظ... إلخ، صـ۶۵۹ بتصرّف۔

اور نہ کسی عالم کو دیکھا جس کے استقبال میں باشندگانِ نیشاپور نے وہ کچھ کیا ہو جو انہوں نے محمد بن اسماعیل بخاری کے ساتھ کیا، انہوں نے شہر نیشاپور سے دو یا تین منزل کی دوری پر اُن کا استقبال کیا(۱)۔

پھر امام ذہلی اور باقی علماء کے بارے میں کیونکر یہ گمان ہوسکتا ہے کہ انہوں نے بخاری سے حسد کی وجہ سے اپنا وہ سوت جو انہوں نے کاتا تھا اس کو ریزہ ریزہ کرکے توڑ دیا؟! حالانکہ اس معاملہ میں ذہلی نے پیش رفت کی: اس لیے کہ انہوں نے ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل کی آمد پر لوگوں سے یہ کہا: ان سے علمِ کلام کا کوئی مسئلہ نہ پوچھنا: اس لیے کہ اگر انہوں نے ہماری رائے کے برخلاف جواب دیا تو ہمارے درمیان اور ان کے درمیان اختلاف ہوجائے گا، اور خراسان میں رہنے والا ہر رافضی، ناصبی، جہمی، اور مرجئی(۲) ....

---

(۱) "هدي الساري"، الفصل العاشر في عدّ أحاديث الجامع، ذكر ما وقع بينه وبين الذهلي في مسألة اللفظ... إلخ، صـ٦٥٨ بتصرّف۔

(۲) رافضی و ناصبی دونوں فرقے مخالف اہلِ سنت وجماعت ہیں،"المعتقد شریف" (اردو ترجمہ) میں علامہ سیف اللہ المسلول فضلِ رسول بدایونی نے بحثِ امامت میں فرمایا: ہم گروہ اہلِ سنت کا عقیدہ تمام صحابہ کو ان کے لئے عدالت ثابت مان کر ستھرا جانتا ہے... الخ۔

(باب چہارم، بیان امامت، ص۲۸۶)

اس باب میں رافضی وناصبی مخالف ہیں۔

روافض کے تین فرقے ہیں:(۱) تفضیلی، (۲) تبرائی، (۳) تفضیل وتبری میں غلو کرنے والے۔=

= نواصب کے دو فرقے ہیں: (۱) نواصبِ عراق، جو حضرت عثمانِ غنی وحضرت علی سے بغض رکھتے ہیں، (۲) نواصبِ شام جو حضرت عثمانِ غنی سے بغض نہیں رکھتے، اور خلافتِ راشدہ کی انتہا حضرت عثمانِ غنی پر ہی مانتے ہیں، اور حضرت علی کے زمانہ کو فتنے کا زمانہ، ان کی حکومت کو کاٹ کھانے والی حکومت، اور امتِ مسلمہ کی ہلاکت کا وقت، شر کا زمانہ کہتے ہیں... الخ۔

(باب چہارم، بیانِ امامت، ص۲۸۶، معتقد اردو)

یہاں سے رافضی اور ناصبی کے درمیان قدرِ مشترک معلوم ہوئی، رافضیوں کے بعض عقائد کی تفصیل "المعتمد شریف" میں بیان ہوئی، فلیراجع ثمہ.

کرامیہ: ابو عبداللہ محمد بن کرام کے پیروکاروں کو کہتے ہیں، کتاب "ملل ونحل" میں انہیں گروہِ صفاتیہ سے شمار کیا؛ اس لئے کہ ابو عبداللہ محمد بن کرام نے اللہ کے لئے صفات مانی مگر بالآخر اس کے قول کا مآل تشبیہ وتجسیم کی طرف پہنچتا ہے، لہٰذا یہ گروہ اہلِ سنت وجماعت سے خارج ہے۔

["الملل والنحل" الشهرستاني (ت٥٤٨هـ)، تحقيق الأستاذ أحمد فهمي محمد، مذاهب أهل العالم، الكرامية، الجزء الأوّل، صـ٩٩، المكتبة العثمانية كوئته]۔

جہمیہ: جہم بن صفوان کے متبعین کو کہتے ہیں، اور یہ خالص فرقۂ جبریہ کا ایک گروہ ہے، جو معتزلہ کی طرح اللہ تعالیٰ کے لئے صفاتِ اَزلی کی نفی کرتا ہے، اور ان سے بڑھ کر اور چند باتوں کا اعتقاد کرتا ہے، ازاں جملہ یہ کہ وہ کہتے ہیں کہ: باری تعالیٰ کے لئے ایسی صفت ماننا جائز نہیں جو صفت مخلوق کے لئے ثابت ہے؛ اس لئے کہ یہ بات ان کے طور پر مقتضیِ تشبیہ ہے، لہٰذا اللہ سے صفتِ حَی وعالم کی نفی کرتے ہیں، اور اللہ کے لئے صفتِ قادر وفاعل مانتے ہیں؛ اس لئے کہ ان کے طور پر کسی مخلوق کے لئے کسی طرح کی قدرت ثابت نہیں۔ (هذا ملخص من "ملل ونحل"، ["الملل والنحل" مذاهب أهل العالم، الكرامية، الجزء الأوّل، صـ٧٣ ملتقطاً]

تعریفاتِ سید میں ان کی تعریف یوں ہے کہ: جہمیہ جہم بن صفوان کے اصحاب ہیں، کہتے ہیں کہ: بندے کو اصلاً کسی طرح کی قدرت نہیں، بلکہ وہ بمنزلۂ جماد ہے، اور جنت ودوزخ =

ہم پڑھے گا[1]۔

امام مسلم فرماتے ہیں: جب محمد بن اسماعیل نیشاپور پہنچے تو لوگوں کا اُن کے پاس اتنا ہجوم ہوا کہ وہ گھر (محلِ نزولِ بخاری) بھر گیا، اور چھتیں بھر گئیں، اور یہ بات معلوم ہے کہ انسان کو اس کی حرص ہوتی ہے جس سے اس کو روکا جاتا ہے، تو کسی نے بخاری سے تلفظ بالقرآن کا مسئلہ پوچھا، تو کہا: ہمارے افعال مخلوق ہیں، اور ہمارے الفاظ ہمارے افعال کی قبیل سے ہیں، تو لوگوں کے درمیان اختلاف پڑ گیا، اب بعض یہ بولے کہ بخاری نے یہ کہا ہے کہ: قرآن سے میرا تلفظ مخلوق ہے[2]، اور کچھ نے یہ کہا کہ: بخاری نے ایسی بات نہ کہی یہاں تک کہ وہ ہوا جو ہوا، اور اللہ کا کام مقرر

= میں جب ان کے اہل داخل ہو جائیں گے تو یہ دونوں فنا ہو جائیں گے، یہاں تک کہ اللہ کے سوا کوئی موجود نہ رہے گا۔ ["التعريفات"، الجرجاني(ت٨١٦هـ)، تحقيق إبراهيم الأبياري، باب الجيم: ٥٢٠، صـ٦٩، المكتبة الفاروقية بشاور، ١٤٢٣هـ ط١]

المرجئہ: یہ وہ گروہ ہے جو اس بات کا قول کرتا ہے کہ: ایمان کے ساتھ معصیت کچھ نقصان نہ دے گی، جیسا کہ کفر کے ساتھ طاعت کچھ فائدہ نہ دیگی۔ ["الملل والنحل" مذاهب أهل العالم، المرجئة، الجزء الأوّل، صـ١٣٧، و"التعريفات"، باب الميم: ١٣٣٣، صـ١٦٨]۔

(۱) "هدي الساري"، الفصل العاشر في عدّ أحاديث الجامع، ذكر ما وقع بينه وبين الذهلي في مسألة اللفظ... إلخ، صـ٦٥٨ بتصرّف۔

(۲) "هدي الساري"، الفصل العاشر في عدّ أحاديث الجامع، ذكر ما وقع بينه وبين الذهلي في مسألة اللفظ... إلخ، صـ٦٥٨ بتصرّف۔

تقدیر پر ہے، اور مجھے اپنی جان کی قسم! بخاری کے قول میں ایسا کچھ نہیں جو معیوب ہو؛ اس لیے کہ لفظ سے تلفظ مراد لیا، اور اس میں شک نہیں کہ وہ حادث ہے، لیکن وہ ایسے لوگوں سے آزمائش میں پڑے جو ان کی مراد نہ سمجھے، اور بے جا پہلو پر ان کے کلام کو رکھا۔ جیسا کہ خود امام بخاری رحمہ اللہ تعالی ورحمنا بہ سے امام الائمہ، کاشف الغمہ، مالک الازمہ، سراج الامہ یعنی امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کے ساتھ واقع ہوا (اللہ تعالی ہماری آنکھیں ان کے احسان سے ٹھنڈی رکھے، اور ہمارے دل ان کے مذہب اور ان کی محبت پر جمے رکھے، اور اپنی خوشنودی کے بادلوں سے ان کی قبر کو خوب سیراب فرمائے)؛ اس لیے کہ بخاری کی فہم اس امام حجۃ اللہ کے دلائل کو سمجھنے سے قاصر رہی، تو انہوں نے امام ابو حنیفہ پر اس کلام کے ذریعہ اعتراض کیا جو خود بخاری کی فہم تک پلٹتا ہے، اور امامِ اعظم پر وہ اعتراض نہیں پڑتا، حدیث (میں یہ مثل ہے): ((جیسا کروگے ویسا ہی بدلہ پاؤ گے))[1]، مگر بات یہ ہے کہ امام بخاری پر سب سے بڑے معترض ان کے شیخ ذہلی ہیں۔

امام بخاری امامِ اعظم کے چھٹے درجہ میں شاگرد ہیں

رہے امام بخاری تو وہ تو امامِ اعظم کے شاگرد کے شاگرد کے شاگرد کے شاگرد کے شاگرد کے شاگرد ہیں؛ اس لیے کہ (۱) انہوں نے امام السنۃ، زمانۂ شدت میں اسلام کی بولتی زبان احمد بن حنبل کی شاگردی اختیار کی، اور (۲) احمد عالمِ قریش امامِ مطلبی امام محمد بن ادریس شافعی کے شاگرد ہیں، اور (۳) شافعی، امامِ ربانی محمد بن

(۱) "صحيح البخاري"، الإمام البخاري (ت٢٥٦هـ)، كتاب التفسير، باب ما جاء في فاتحة الكتاب، صـ٧٥٩، دار السّلام، الرياض۔

حسن شیبانی کے شاگرد ہیں، اور (۴) امام محمد، قاضیٔ شرق وغرب امام ابو یوسف کے شاگرد ہیں، اور (۵) امام ابو یوسف (امام عالِم مدینہ طیبہ) امامِ مالک کے شاگرد ہیں، اور (۶) امام مالک امام الائمہ فقیہ الامہ ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں۔

تو بخاری تو ہمارے امام کے چھٹے درجہ میں شاگرد ہیں، اور امامِ مسلم ہمارے امام کے ساتویں درجہ میں شاگرد ہیں؛ اس لیے کہ وہ بخاری کے شاگرد ہیں، اگرچہ انہوں نے اپنی صحیح میں ان سے حدیث روایت نہ کی، اور امام ترمذی امامِ اعظم کے آٹھویں درجہ میں شاگرد ہیں؛ انہوں نے امام مسلم کی شاگردی اختیار کی، اور مختصر یہ کہ ائمۂ ثلاثہ اور اصحابِ صحاحِ ستہ سب کے سب ہمارے امام کے شاگردوں میں ہیں، اور کئی درجوں میں شاگردوں کے شاگردوں کے شاگردوں کے قبیل سے ہیں، رحمۃ اللہ تعالی علیہم اجمعین۔

امام ابنِ حجر مکی شافعی ''شرح مشکوۃ''(۱) میں فرماتے ہیں، اور انہی سے ''مرقاۃ المفاتیح'' میں علامہ ملا علی قاری نے امام اعظم کے تعارف میں نقل کیا رضی اللہ تعالی عنہ: ائمۂ مجتہدین اور علمائے راسخین میں سے بڑے بڑوں نے ان کی شاگردی اختیار کی، جیسے عبد اللہ بن مبارک، لیث بن سعد، امام مالک بن انس(۲) اھ۔

میں کہتا ہوں: اسی طرح امام ابنِ حجر نے ''خیراتِ حسان'' میں اتنے الفاظ

---

(۱) "شرح مشكاة"، الإمام ابن حجر المكي (ت ۹۷٤هـ).

(۲) "المرقاة"، القاري (ت ۱۰۱٤هـ)، شرح مقدّمة المشكاة، ترجمة الإمام أبي حنيفة ومناقبه، ۱/ ۷۸، ۷۹، دار الفكر بيروت.

زیادہ کیے کہ: اے شخص یہ کیسے جلیل القدر ائمہ ہیں (جو تجھے کافی ہیں)...الخ[1]۔

اور امام ابوعمر ابن عبد البرّ مالکی نے ''کتاب العلم'' میں امام شافعی سے حکایۃً ذکر کیا کہ امام شافعی کہتے ہیں: میں نے محمد بن حسن سے ایک اونٹ پر جتنا سامان لادا جاتا ہے اس کے بقدر علم سنا[2] اھ۔

میں کہتا ہوں: امام شافعی رضی اللہ تعالی عنہ کی ''مُسنَد'' کے کتاب البحیرۃ[3] والسائبۃ[4] میں ہے: ہمیں محمد بن حسن نے خبر دی، وہ روایت

---

(۱) "الخيرات الحسان في مناقب النعمان"، ابن حجر المكي (ت٩٧٣هـ)، المقدمة الأولى، صـ٢١، مدينه پبلشنگ كمپني كراچي۔

(۲) "جامع بيان العلم وفضله"، ابن عبد البرّ، ر: ١٠٤٥٠، ١/ ٤٧٣۔

(۳) بحیرہ: کان چِرا۔

(۴) سائبہ: بجار۔

زمانہ جاہلیت میں کفار کا یہ دستور تھا کہ جو اونٹنی پانچ مرتبہ بچے جنتی اور آخر مرتبہ اس کے نر ہوتا اُس کا کان چیر دیتے، پھر نہ اس پر سواری کرتے، نہ اس کو ذبح کرتے، نہ پانی اور چارے پر سے ہنکاتے، اس کو بحیرہ کہتے ہیں، اور جب سفر پیش ہوتا یا کوئی بیمار ہوتا تو یہ نذر کرتے کہ: اگر میں سفر سے باخیریت واپس آؤں یا تندرست ہو جاؤں تو میری اونٹنی سائبہ (بجار) ہے، اور اس سے بھی نفع اٹھانا بحیرہ کی طرح حرام جانتے، اور اس کو آزاد چھوڑ دیتے۔ ["مدارك التنزيل"، النسفي (ت٧١٠هـ)، المائدة: تحت الآية: ١٠٣، ١/ ٣٤٤، مكتبه فاروقيه محله جنگي پشاور، و"خزائن العرفان"، از صدر الأفاضل (ت١٣٦٧هـ)، صـ٢٠٠، مجلس البركات، مباركفور]۔

کرتے ہیں یعقوب بن ابراہیم سے، اور وہ روایت کرتے ہیں عبداللہ بن دینار سے، اور وہ روایت کرتے ہیں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے: بے شک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((رشتۂ موالات گوشت کے رشتہ کی طرح ایک رشتہ ہے، اسے بیچنا یا ہبہ کرنا جائز نہیں))[1]، اور انہی کی کتاب الدیات والقصاص میں یہ روایت ہے کہ: ہمیں محمد بن حسن نے خبر دی، وہ کہتے ہیں: ہمیں امام مالک نے خبر دی... الحدیث[2]، پھر فرمایا: ہمیں خبر دی امام محمد بن حسن نے، وہ کہتے ہیں: ہمیں خبر دی امام ابراہیم بن محمد نے... الحدیث[3]، پھر فرمایا: ہمیں محمد بن حسن نے خبر دی، وہ کہتے ہیں: ہمیں قیس بن ربیع اسدی نے خبر دی... الحدیث[4]، پھر فرمایا: ہمیں خبر دی محمد بن حسن نے، انہوں نے کہا کہ: ہمیں خبر دی محمد بن یزید نے... الحدیث[5]، پھر اسی میں فرمایا: اور اسی سند سے امام زُہری سے روایت ہے... الحدیث[6]۔

---

(۱) "المسند" الإمام الشافعي (ت٢٠٤هـ)، كتاب البحيرة والسائبة، ر: ١٥٤٦، صـ٥٣٠، تحقيق: سعيد محمد اللّحام، دار الفكر بيروت، ١٤١٧هـ ط١۔

(۲) "المسند"، كتاب الديات والقصاص، ر: ١٥٦٦، صـ٥٣٦۔

(۳) "المسند"، كتاب الديات والقصاص، ر: ١٥٦٩، صـ٥٣٧۔

(۴) "المسند"، كتاب الديات والقصاص، ر: ١٥٧٠، صـ٥٣٧۔

(۵) "المسند"، كتاب الديات والقصاص، ر: ١٥٧١، صـ٥٣٨۔

(۶) "المسند"، كتاب الديات والقصاص، ر: ١٥٧٢، صـ٥٣٨۔

یہ تو لو! اور اگر امام بخاری رحمۃ اللہ تعالی علیہ کو یہ اتفاق ہوتا کہ ان مسائل میں جو اُن کے خیال میں مشتبہ تھے، امام ابوحفص کبیر بخاری کے اَمثال سے مراجعت کرتے، بلکہ خود اپنے مُصاحب اور طلبِ حدیث میں اپنے رفیق اور ان کے اکابر شیوخ میں ان کے شریک، یعنی امام ابوحفص صغیر بخاری رحمۃ اللہ علیہم، جیسا کہ ذہبی کی ''سیر اَعلام النبلاء'' میں مذکور ہے[1] سے مراجعت کرتے، ان کے اوپر حقیقت ظاہر وروشن ہو جاتی، لیکن جو اللہ تعالی نے چاہا وہ ہوا، اور اس مقام پر ہم اس بیان کے درپے نہیں۔

کہنے کا مقصد تو یہ ہے کہ اگر ان کا مذہب یہ تھا کہ (کلام) لفظی حادث ہے جیسا کہ آپ لوگ کہتے ہیں، تو ان ائمہ اَعلام کی اس کلام سے نفرت کیا معنٰی؟! پھر خود امام بخاری نے، جب اِن کے بارے میں یہ بات کہی گئی، یہ نہ کہا کہ: میں نے تو لفظ

(۱) ذہبی کے لفظ ان کی کتاب مذکور میں امام ابوعبد اللہ محمد بن احمد بن حفص بخاری المعروف ابو حفص صغیر کے تعارف میں یہ ہیں: ''انہوں نے سفر کیا اور ابو ولید طیالسی، حمیدی و یحیٰی بن مَعین سے، اور ان کے سوا دوسروں سے حدیث سنی، اور طلبِ حدیث میں ایک مدت تک امامِ بخاری کے ساتھ رہے، اور ان کی تصانیف میں "الأهواء والاختلاف" اور "الردّ على اللفظية" ہے، جو انہوں نے ان معتزلہ کے رد میں لکھی جو کلامِ لفظی کے قائل ہیں، اور وہ معتمد، امام، پاکیزہ، زاہد، ربانی اور متبعِ سنت (یعنی باعمل محدِّث) تھے، اور ان کے والد امام محمد بن حسن کے اکابر تلامذہ میں سے تھے، اور بخارا میں ان تک اور ان کے باپ عبد اللہ تک اصحابِ علم کی ریاست پہنچی، اور ائمہ نے ان سے فقہ حاصل کیا۔ ابن مندہ کہتے ہیں: ان کی وفات ۲۶۴ھ میں رمضان میں ہوئی'' اھ منہ [''سير أعلام النبلاء''، الذهبي (ت٧٤٨هـ)، تحقيق مصطفى عبدالقادر عطا، ر: ٢٣٤٣، محمد بن أحمد بن حفص بن الزبرقان، ٦٥٢/٨ بتصرّف]۔

(لفظِ قرآن) کے مخلوق ہونے کا حکم لگایا ہے، جو ہمارے اور آپ کے نزدیک حادث ہی ہے، تو کیا ہوا؟! اور امام بخاری نے ابوعمرو احمد بن نصر نیشاپوری سے کہا: اے ابو عمرو! مجھ سے سن کر یہ بات یاد رکھو کہ اہلِ نیشاپور میں سے جو یہ کہتا ہے، اور بہت سارے شہر گنائے جو یہ کہتا ہے کہ: میں نے یہ کہا کہ: قرآن سے میرا تلفظ مخلوق ہے، تو وہ بڑا جھوٹا ہے؛ کہ میں نے تو یہ نہ کہا، ہاں! بے شک میں نے یہ کہا کہ: "بندوں کے افعال مخلوق ہیں"، نیز امام بخاری نے فرمایا اللہ تعالیٰ اِن پر رحمت فرمائے اور ان کے وسیلہ سے ہم پر رحمت فرمائے: بندوں کی حرکتیں اور ان کی آوازیں اور ان کے کسبی افعال اور ان کی لکھائی (یہ چیزیں) مخلوق ہیں۔ اب رہی قرآن کی بات جو مُصاحف میں مثبت، جو دلوں میں محفوظ ہے، تو وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو غیر مخلوق ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِيْنَ أُوتُوا الْعِلْمَ﴾... الآية [العنكبوت: ٤٩]

بلکہ وہ روشن آیتیں ہیں ان کے سینوں میں جن کو علم دیا گیا۔

(ترجمہ کنزالایمان)

اور امام بخاری نے کہا: امام اسحاق بن راہویہ نے فرمایا: رہیں وہ اشیاء جن میں قرآن محفوظ ہے، تو ان کے مخلوق ہونے میں کسے شک ہے[1] اھ۔ اور یہی سلفِ صالحین کا مذہب ہے، جیسا کہ تم دیکھتے ہو، وللہ الحمد۔

---

(۱) "هدي الساري"، الفصل العاشر في عدّ أحاديث الجامع، ذكر ما وقع بينه وبين الذهلي في مسألة اللفظ... إلخ، صـ٦٥٩۔

اقول: پورا عجب تو یہ ہے کہ یہ لوگ اس بات کے معترف ہیں کہ یہ سلف کا مذہب ہے، پھر بھی اس سے منحرف ہوتے ہیں، اور منہ بھر یہ کہتے ہیں کہ: اللہ کے دو کلام ہیں: ایک قدیم اور ایک حادث، اور مکتوب، مقروء، مسموع، محفوظ، قطعاً سب حادث ہیں، اور قدیم تو شے دیگر ہے، یہ سب اُس پر دلالت کرتے ہیں، پھر وجہِ دلالت میں حیران ہوکر کہتے ہیں: (یہ ایسے ہے جیسے) لفظ کی دلالت معنٰی پر، اور اس پر اِشکال وارد ہوتا ہے تو کچھ لوگ اِس طرف کھسکتے ہیں کہ یہ اثر کی دلالت مؤثر پر ہے۔

اِن لوگوں کی حیرت کی وجہ کی قبیل سے یہ ہے کہ علامہ آمدی نے کتاب "ابکار الأفکار" میں کہا: اور حق یہ ہے کہ وحدتِ کلام کے قول پر جو اِشکال وارد ہوا (یعنی یہ بات کہ کلام اپنی حدِّ ذات میں امر، نہی، استفہام، خبر اور نداء کی طرف منقسم نہیں ہے) اور یہ کہ اختلاف (یعنی جو اقسامِ خمسۂ مذکورہ میں ہے) تعلقات اور متعلقات کی طرف عائد ہے۔ (آمدی نے کہا:) اس کا جواب مشکل ہے، اور متوقع ہے کہ میرے سوا کسی کے پاس اس کا حل ہو[1] اھ۔

---

(۱) "ابکار الأفکار"۔

امام تفتازانی اور چلپی کی تحقیق کلام میں حیرت اور مصنّف علام کی جانب سے چلپی کی عبارت میں تناقض پر تنبیہ

چلپی نے کہا: حق یہ ہے کہ یہ بات مشکل ہے، جبکہ کلامِ نفسی، کلامِ لفظی کا عین مدلول بالوضع ہو، رہی یہ بات کہ نفسی سے تعبیر کرنا اثر کو موثر سے تعبیر کرنے کے قبیل سے ہو جیسا کہ گزرا، تو کوئی اِشکال نہیں، تو اِس میں غور کرو(۱) اھ۔

اور چلپی اس سے پہلے کہہ چکے کہ: حق یہ ہے کہ علماء کے عام کلمات سے جو مفہوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کلامِ نفسی کلامِ لفظی کا مدلول ہے، اگرچہ یہ بات اِشکال سے خالی نہیں(۲) اھ۔

علامہ تفتازانی نے ''شرحِ مقاصد'' میں فرمایا: کلامِ الٰہی اَزل میں ماضی، حال، مستقبل سے موصوف نہیں؛ کہ وہاں زمانہ نہیں، اور اِن اوصافِ مذکورہ سے لایزال میں بحسبِ تعلقات اور زمن واوقات کے حدوث کے موافق موصوف ہوتا ہے، اور اس بات کی تحقیق اس قول کے ساتھ کہ کلامِ اَزلی لفظی کا مدلول ہے، بہت دشوار ہے، اور یونہی یہ قول (بھی مشکل ہے)؛ کہ ماضی وغیرہ سے متصف تو لفظ

---

(۱) "حاشية شرح المواقف"، المرصد الرابع، المقصد السابع: في أنّه تعالى متكلّم، الجزء الثامن، صـ۱۱۳۔

(۲) "حاشية شرح المواقف"، المرصد الرابع، المقصد السابع: في أنّه تعالى متكلّم، الجزء الثامن، صـ۱۰٦۔

حادث ہی ہے نہ کہ معنی قدیم[1] اھ۔

جب یہ لوگ اپنی حیرانی سے راضی ہوئے، اور بالآخران کا مرجع وہی حیرت ٹھہرا، کاش! یہ لوگ سلف کی پیروی پر راضی ہوتے، اگر چہ تجلّی اور متجلّی کے فرق میں حیران رہتے؛ اس لیے کہ یہ ساری گرہیں اس سے کھلتی ہیں کہ متجلّی ماضی، حال، مستقبل سے بالاتر ہے، اور یہ تمام شانیں تجلیات وکسوات (لباسوں) میں ہیں۔

میں کہتا ہوں: اس جگہ ان لوگوں کا سلف کے قول سے انحراف اس طرح نہیں جیسے بعد کے مفسرین نے آیاتِ متشابہات کی تفسیر میں مذہبِ سلف سے انحراف کیا، اور مذہبِ سلف (اللہ کی طرف متشابہات کی) مراد کو مفوّض کرنا ہے، ﴿آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلاَّ أُوْلُواْ الألْبَابِ﴾

[آل عمران: ۷]

ترجمہ کنز الایمان: ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے رب کے پاس سے ہے، اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے؛ اس لیے کہ یہ مفسرین تاویل اس طور پر نہیں لاتے کہ یہی خدائے جلیل کی مراد ہے، وہ تو اس تاویل کی پناہ اس لیے لیتے ہیں کہ عام لوگوں کے فہم سے قریب بات کہیں؛ اس لیے کہ کوئی شر دوسری سے ہلکی ہوتی ہے، اور جو دو مصیبتوں میں مبتلا ہو وہ ان دونوں میں ہلکی کو اختیار کرتا ہے، تو یہ بات ان کے دلوں کے عقیدوں میں مؤثر نہیں۔

---

(۱) "شرح المقاصد"، المبحث السادس في أنّه متكلم، صفات القرآن الكريم، الدليل الثالث، الجزء الرابع، صـ۱۵۹۔

رہی بات اس مقام کی تو مسئلہ اصولِ دین کا ہے، اور اس میں ان لوگوں نے اس کا یقین کیا جو ائمۂ سلفِ صالحین کے خلاف ہے، اور اس کو خوب روشن طور پر بیان کیا، اور اپنی کتابوں میں اس کو بھرا اس طور پر کہ وہی فیصلہ کُن بات ہے، یہاں تک کہ سلف کا عقیدہ بھُولی بِسری چیز ہوگئی، بلکہ عام لوگوں کے ذہن میں سلف کا عقیدہ بناوٹی بات ٹھہرا، تو خود بھی پھسلے اور بہتوں کو پھسلن میں ڈالا، پھر ان کے بعد کچھ ناخلف ناقص ذہن اور قاصر فہم والے آئے، تو ان کی بات پر اندھے بہرے ہو کر گر پڑے، تو خود بھی گمراہ ہوئے اور بہتوں کو گمراہ کیا۔ اور مجھے اپنی جان کی قسم! یہ مرض لاعلاج ہے، اور گناہ سے پھرنے کی طاقت، اور طاعت کی قدرت نہیں، مگر اللہ کی طرف سے جو نگہبان اور بلند و بالا ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے ہر حال میں سلامتی مانگتے ہیں۔

ہم نے اس مقصد میں کلام کو طول دیا؛ اس لیے کہ یہ مقام جائے لغزشِ اَقدام و معرکۂ اَوہام ہے، تو لوگوں کے قدم پھسلے، پھر کچھ قومیں گمراہ ہوئیں، اور عصمت نہیں، مگر اللہ ذوالجلال والاکرام سے، اُس پر بھروسہ ہے، اور اس سے طلبِ عصمت ہے، اور ہمارے حبیب اور ان کی آل واصحاب پر ابد تک دائمی افضل درود اور اکمل سلام ہوں۔

کلام اگرچہ کچھ تطویل تک پہنچا، لیکن فائدۂ جلیلہ لایا، تو روشن حق کا طالب اس سے نہ اُکتائے گا، حالانکہ مسئلہ اصولِ دین کا ہے، اور یہ اس کے لیے فوٹوگراف کا حکم جاننے سے زیادہ نافع ہے، اور بحمد اللہ یہ مسئلہ شافی طور پر ظاہر ہوگیا، جس کو تم اس رسالہ کے غیر میں نہ پاؤ گے، تو اپنے رب کا شکر ادا کرو، اور صاحبِ رسالت پر درود و

سلام بھیجو، صلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ وصحبہ ذوی الجلالۃ۔

ہوشیار! خبردار! ایسا نہ ہو کہ تمہارے قدم تمہیں اُس سے زائل کردیں، تو تم ہلاکت کے گڑھوں میں پڑ جاؤ گے، اور اللہ ہی میری اور تمہاری ہدایت کا مالک ہے، اور جبکہ یہ راہِ منزل دشوار ہے، اور پہاڑ کی چڑھائی ناہموار ہے، تو میں تمہارے لیے کچھ چنیدہ حروف کی تلخیص کردوں، جس سے تم (نقاۃ)[1] ردی اور نقی کے درمیان فرق کرلو، تو دلنشین ہونے والی سب سے اچھی بات وہ ہے جو جہل کی گرہ کھولے، وہ پسندیدہ بات جبریلِ امین کے ابوجہل پر حملہ کرنے والی، جب جبریل اس کے سامنے اونٹ کی صورت میں جلوہ گر ہوئے، تو گویا کہ لاحق وسابق لوگ اس کے معاملے میں چار فرقے ہوگئے:

قصۂ جبریل میں بطورِ تمثیل چار گروہ کی تفصیل

ایک فرقہ کہتا تھا کہ جبریل تو نہیں مگر کٹکھنا اونٹ جس کے لیے دُم اور کوہان ہے، اور چار پائے، بڑی کھوپڑیوں میں سے ضخامت والی کھوپڑی، اور جبریل کا کوئی وجود اس سے پہلے نہ تھا۔ یہ معتزلہ، کرامیہ، اور خبیث رافضی بولے: قرآن تو یہی آوازیں اور حادث نقوش ہیں۔

دوسرا فرقہ یہ کہتا ہے کہ: جبریل رحمٰن کے مقرب فرشتے ہیں، اور ان کے

---

(۱) النقاۃ: فتح نون کے ساتھ: اس شے کو کہتے ہیں جو کھانے کو صاف کر کے پھینک دی جاتی ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ: ہر شے کی نقاۃ اس شے کی ردی چیز ہے سوائے کھجور کے: کہ اس میں نقاۃ کا استعمال اچھی کھجور کے لیے ہوتا ہے اھ۔ منہ۔

لیے یہ صورتِ جملیہ اسی وقت سے ہے جب سے وہ موجود ہوئے، اور وہ ہمیشہ اونٹ ہی تھے، اور یونہی اونٹ رہیں گے، اور یہ ان لوگوں میں سے جاہل متاخرین ہیں جنہوں نے کہا کہ: یہی آوازیں اور نقوش قرآنِ عزیز ہے، اور یہ آوازیں اور نقوش قدیم، سرمدی، اَزلی، اَبدی ہیں۔

تیسرا فرقہ یہ بولا کہ: وہاں چند اشخاص ہیں جن کا نام جبریل ہے، سب کو لفظی یا معنوی اصطلاح پر، یا حقیقت اور مجاز کے طور پر جبریل کہا جاتا ہے، پہلا شخص رسول سے بہت سوال کرنے والا ہے، اور ان میں کا چوتھا بہت حلیم ہے، اور تینوں اشخاص کے بارے میں مشہور ہے کہ ان میں سے ایک مَلکِ مرسَل ہے، اور ان میں سے دوسرا حملہ آور اونٹ، اور ان میں سے تیسرا اعرابی ہے، یہ سب کے سب پہلے شخص پر دلالت کرتے ہیں، جو ان تینوں کو دیکھتا ہے، وہ جلیل القدر فرشتے کو یاد کرتا ہے۔ یہ لوگ اہلِ سنت معظمہ کے متکلمین میں سے نوعمر لوگ ہیں، بولے: اللہ کے دو کلام ہیں: ایک قدیم، دوسرا حادث، حادث قدیم پر مشکّل دلالت کرتا ہے، اور دونوں معنیٰ پر قرآن کا اِطلاق تین وجوہ مفصلہ میں سے ایک پر ہوتا ہے، اور ان سب کے اقوال کو عقلِ سلیم بغیر کسی نزاع کے بلاشبہ دفع کرتی ہے، جیسا کہ تم دیکھتے ہو۔

اللہ نے ایک جماعت کو سیدھی راہ دکھائی تو انہوں نے یہ مانا کہ نہ دو جبریل ہیں، اور نہ زیادہ، وہ تو ایک ہی جبریل ہیں، جس طور پر چاہیں جلوہ گر ہوتے ہیں، اور جیسی چاہیں صورت اختیار کرتے ہیں، اور مختلف اَطوار کے حادث ہونے اور لباسوں کے تغیّر سے وہ اب رونما نہ ہوئے، تو اونٹ کی صورت میں دشمن پر حملہ آور، اور غریب شہر کی صورت میں ایمان پوچھنے والے، اور دحیہ کی صورت میں وحی لانے والے یقیناً

وقطعاً، حتماً وجزماً جبریل ہی تھے، نہ کہ شئ دیگر جو اُن پر دلالت کرتی ہو، یا اُن کی طرف اشارہ کرتی ہو، اور یہ صورتیں ایک کے بعد ایک رونما ہوئیں، جب جبریل ہوئے موجود نہ تھیں، اُن صورتوں کے بدلنے سے نہ اِن میں کوئی تبدیلی ہوئی، نہ اُن کے تعدّد سے اِن کی ذات متعدّد ہوئی، اور نہ اُن کے تجدّد سے وہ خود متجدّد ہوئے۔

یہ جیسا کہ تم دیکھتے ہو، نکھرا حق اور روشن سچ ہے، عقلِ سلیم اِس کے سوا کسی اور طرف مائل نہیں ہوتی، اور اس کے سوا کوئی اُور بات قبول نہیں کرتی، اور کسی ماسوا کی طرف متوجہ نہیں ہوتی۔

ہمارے ائمۂ سلف کا قول ہے کہ: قرآن واحد، حقیقی، اَزلی ہے، اور وہ تمام جلوہ گاہوں میں جلوہ فرما ہے، اِس کلام کے قدیم ہونے پر اُن جلوہ گاہوں کے حدوث کا کوئی اثر نہیں، اور اُن جلوہ گاہوں کی کثرت سے اِس کلام کی وحدت پر کوئی ضرر نہیں، اور اُن جلوہ گاہوں میں غیرِ قرآن کا نام ونشان نہیں، اور قراءت، کتابت، حفظ، سماعت، زبانیں، انگلیاں، دل اور کان سب کے سب حادث اور ہدفِ تغیّر ہیں۔

مقروء، مکتوب، محفوظ اور مسموع حقیقۃً اور واقعۃً وہی قرآنِ قدیم ہے۔ گھر میں اس کے سوا کوئی رہنے والا نہیں، اور یہ عجیب بات ہے کہ وہ کلامِ قدیم اُن جلوہ گاہوں میں حلول نہیں کیے ہوئے ہے، اور یہ جلوہ گاہیں اِس (کلامِ قدیم) سے خالی بھی نہیں، اور وہ اُن جلوہ گاہوں سے متصل نہ ہوا، اور یہ جلوہ گاہیں اُس سے جدا نہیں، اور یہ وہ راز ہے جسے عارف ہی سمجھتے ہیں۔

﴿وَتِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا یَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعَالِمُوْنَ﴾

[العنکبوت: ۴۳]

اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان فرماتے ہیں، اور انہیں نہیں سمجھتے مگر علم والے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

کچھ علم وہ مکنون (صدف میں چھپے گوہر) کی طرح ہے، اس کو عارف باللہ ہی جانتے ہیں، تو جب عرفاء اس کو زبانوں پر لاتے ہیں تو اس کا انکار وہی کرتے ہیں جو اللہ سے غافل ہیں۔ رواہ في "مسند الفردوس" عن أبي هريرة عن النبي صلّى الله عليه وسلّم[1]۔

مسئلہ اگرچہ دشوار تر تھا، لیکن میں نے اس کے واضح کرنے میں کوئی کمی نہ چھوڑی، یہاں تک کہ بعونہٖ تعالیٰ ایسا ہو گیا کہ اس کی رات اس کے دن کی طرح روشن ہے، بلکہ تو صبح کے اجالا کی وجہ سے چراغ سے مستغنی ہے۔

تنقیح مبحث وخلاصۂ کلام

مختصر یہ کہ حرفِ مبین مجھ سے سن کر یاد کر لے! یہ بات تجھے اس دن نفع دے گی جس دن مال اور بیٹے کام نہ آئیں گے، ہاں وہ جو اللہ کے حضور دل سلامت لایا! (وہ بات یہ ہے) بے شک تو اگر یہ کہے کہ: حضرت جبریل اونٹ کے رونما ہونے سے ابھی ابھی موجود ہوئے، یا یہ کہے کہ: جب سے موجود ہوئے وہ اونٹ ہی ہیں، تو تُو کھلی گمراہی میں پڑا، اور اگر تُو یہ کہے کہ: اونٹ جبریل نہیں، بلکہ شئی دیگر ہے جو جبریل پر دلالت کرتی ہے، تو تُو نے کھلا بہتان باندھا، ہاں یوں کہہ!: "وہ جبریل ہیں جو اونٹ کی

(۱) "الفردوس بمأثور الخطاب"، الديلمي (ت۵۰۹ھ)، تحقيق السعيد بن بسيوني زغلول، ر: ۸۰۲، ۱/ ۲۱۰، دار الكتب العلمية، بيروت۱۹۸۶م، ط۱۔

صورت میں جلوہ گر ہوئے"، اب یونہی اگر تو یہ گمان کرے کہ: قرآن مکتوب یا مقروء کے حدوث کی وجہ سے حادث ہے، یا یوں کہے کہ: قرآن نقوش اور آوازوں کی صورت میں ازل سے ہے، تو تو بے شک حق سے چوک گیا، اور اگر یوں کہے کہ: مکتوب، مقروء، اللہ کا کلامِ ازلی نہیں، بلکہ ایسی چیز ہے جو غیرِ قرآن ہے، وہ اس کے معنیٰ ادا کرتی ہے، تو بے شک تو نے بڑا جھوٹ بولا، ہاں یوں کہہ!: "حقیقت میں یہ وہی قرآن ہے جو ان صورتوں میں جلوہ گر ہے"۔ ایسے ہی جب بھی کوئی شبہ تجھے اس مقام میں لگے تو اُس کو حدیثِ فحل (اونٹ کے قصہ) پر پیش کر!، تیرے اوپر روشن حالت منکشف ہوجائے گی، اور توفیق نہیں مگر اللہ نگہبان بلند و برتر کی طرف سے۔

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں نے اس مبحثِ عظیم وجلیل ورفیع واعلیٰ کا کچھ مضمون مقدمۂ ثانیہ میں "میزان الشریعۃ الکبریٰ" کی عبارت تک ہی لکھا تھا، پھر جب غنچۂ سیادت وطہارت، نورِ دیدۂ فضل ومہارت، عالمِ جلیل، سیدِ جمیل، ناصرِ سنّت، کاسرِ ضلالت، حامیٔ ملّت، ماحیٔ بدعت، یکتائے اَجلّہ، ہلالوں میں چودھویں کے چاند، ہمارے پیارے اور ہمارے دوست اور ہماری راحتِ جان، ہماری روح کا سرور، شریف، پاکیزہ، باریک بین وبلند، عالی منزلت، صاحبِ فخرِ جلی اور نورِ ملکی والے سید اسماعیل خلیل آفندی محافظِ کتب خانۂ حرمِ مکی حفظہ اللہ تعالیٰ (اللہ تعالیٰ ان کے آستانے کو ہر طرف سے آنے والے طالبانِ علم کا مرجع کرے، اور ان کے قلم کو ایسی سیفِ مسلول بنائے جو وہابیہ کی گردنوں کے سوا کوئی نیام نہ دیکھے، آمین!) نے ہمیں اپنی زیارت سے مشرّف کیا بتاریخ ۲۷ محرم الحرام ۱۳۳۰ھ، اور میں نے ان کے لیے رسالہ "الکشف شافیا" کا عربی میں ترجمہ کیا جو پہلے اردو زبان میں تھا، اور

میں اس قابو میں نہ آنے والے مشکل مسئلہ تک پہنچا، تو میں نے اس میں یہ مَباحثِ عالیہ زیادہ کیں، تو سیّدِ ممدوح نے یہ پسند کیا (اللہ انہیں ان کی رونق کے ساتھ باقی رکھے) کہ یہ رسالہ مستقل اُس سے علیحدہ کیا جائے، تو میں نے اِن مَباحث کے شروع میں ایک مختصر خطبہ بڑھایا؛ تا کہ جو چاہے اس کو جداگانہ رسالہ کرے، اور مقدمۂ ثانیہ میں اسی پر اختصار کرے جو وہاں ہے، اور اس رسالہ کو بلحاظِ تاریخ "انوار المنّان فی توحید القرآن" (۱۳۳۰ھ) نام دے، اور سب خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، اور اسی کی مدد مطلوب ہے۔

تمّت بالخیر